ملت کا ترجمان

ماہنامہ

جام نور

دہلی

May 2010

اے دعوت اسلامی تری دھوم مچی ہو!

Madani Channel

مدنی چینل

"مدنی چینل" اہل سنت وجماعت کی جانب سے برقی دعوت وتبلیغ کی راہ میں سنگ میل ہے

نواسۂ حضرت محدث اعظم ہند

محترم مولانا سید محمد قاسم اشرف کچھوچھوی

سے تصوف اور ملی مسائل پر جام نور کی خصوصی گفتگو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بانی
قائد اہل سنت
رئیس القلم حضرت علامہ
ارشد القادری
علیہ الرحمۃ والرضوان

بفیض کرم
فیض العارفین حضرت علامہ
شاہ غلام آسی پیا

ملت کا ترجمان
ماہنامہ جام نور دہلی

آٹھواں دور

۹۰ رواں جام

مئی ۲۰۱۰ء
جمادی الاولیٰ رجمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

بانگ درا

اگر چہ مستشرقین کو موضوع بنانے کی تحریک بہت دیر سے شروع ہوئی جب کہ اسے بہت پہلے شروع ہونا چاہیے تھا- تاہم یہ تحریک خوش آئند ضرور ہے- نہ صرف یہ کہ اس سے اطمینان حاصل ہوتا ہے بلکہ اس سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی شعور بیدار کرنے، صحیح فکری انقلاب برپا کرنے، اصلی اسلامی ثقافت و تہذیب جوامت کی شخصیت سے رونما ہوئی تھی اس سے دوبارہ وابستگی پیدا ہونے اور فکری تقلید جس نے اسلامی تشخص کو تباہ کر رکھا ہے اس سے آزاد ہونے کی اب امید کی جاسکتی ہے اور اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اس سلسلے میں مخلصانہ جدوجہد سے کام لیا جائے- اور اس طرح کی امیدیں وابستہ کرنا غلط نہ ہوگا بشرطیکہ اس تحریک کی قیادت دیانت دارانہ ہو جو اپنے سیاسی شعور کی حفاظت کے ساتھ اسلام کا دفاع اور تحفظ بھی کر سکے- یہ اسلامی تحریک خواہ دیر سے شروع ہوئی ہو یا پہلے سے ہو، مستشرقین نے اسلامیات کی جانب جو زبردست توجہ کی ہے درحقیقت یہ اسی کا فطری نتیجہ ہے-

مستشرقین کا انصاف وتعصب
مولانا سید محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ
المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۹۸۲ء

مراسلت وترسیلِ زرکاپتہ
ملت کا ترجمان جام نور
۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد دہلی

MILLAT KA TARJAMAN
JAAM-E-NOOR (Monthly)
422, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-110 006
Ph. : 011-23281418, 29945883
E-mail : jnoormonthly@yahoo.com
k_noorani@yahoo.com
Website
www.newagemediacentre.com

نوٹ: آپ کو ملنے والے رسالے کے لفافے پر (پتے کے اوپر) اس شکل میں 3040/Jan-06-Dec.07 آپ کی ممبری فیس کی مدت لکھی ہوئی ہے، براہ کرم رسالہ پڑھنے سے قبل اسے دیکھ لیں، اگر آپ کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو اولین فرصت میں تجدید کرالیں، ورنہ ہم آپ کو رسالہ بھیجنے سے معذور ہوں گے- ادارہ

ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں
MILLAT KA TARJAMAN JAAM-E-NOOR

چیف ایڈیٹر	خوشتر نورانی
ایڈیٹر	ذیشان احمد مصباحی
سب ایڈیٹر	نورین علی حق
سرکولیشن منیجر	منظر سبحانی
اشتہار منیجر	غلام قادر فیضی
تزئین کار	کوثر سمنانی
کمپوزنگ	جام نور کمپیوٹرز
آپریٹر	محمد وزیر عالم مصباحی
کاتب	محمد شفیق فیضی

فی شمارہ :	15/=
زر سالانہ :	170/=
قیمت پاکستان میں	25/=
بیرون ملک (ہوائی ڈاک)	$ 30 امریکی ڈالر
	£ 20 پونڈ
لائف ممبر شپ (اندرون ملک)	5000/=
لائف ممبر شپ (بیرون ملک)	$ 300 امریکی ڈالر

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر غلام ربانی نے اسٹار آفسیٹ 2229/A احاطہ جَبی، روگران، لال کنواں، دہلی ۶ سے طبع کرا کر آفس "ماہنامہ ملت کا ترجمان جام نور" ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶ سے شائع کیا

مشمولات

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

اے دعوت اسلامی تری دھوم مچی ہو!

”مدنی چینل“ اہل سنت وجماعت کی جانب سے برقی دعوت وتبلیغ کی راہ میں سنگ میل ہے۔

دعوت اسلامی کی تشکیل کا پس منظر: -یہ بات ۱۹۲۳ء کی ہے، جب ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کر دیا اور پھر ہندوستان میں علماء کے زیر قیادت چلنے والی ”تحریک خلافت“ بھی دم توڑ گئی ——— اسی زمانے میں آریہ سماجیوں کی جانب سے شدھی سنگٹھن کی تحریک نے زور پکڑا، جس کی وجہ سے دینی درد ومزاج رکھنے والے مسلمان بالخصوص علماء تحریک خلافت کے خاتمے کے بعد اس تحریک کے جوابی اقدام کی طرف متوجہ ہو گئے- یہ دور مسلکی مناظرے اور مجادلے کا بھی تھا، اس دور میں اہل دیوبند اپنے دینی ومسلکی نظریات کی اشاعت و استحکام کے لیے مختلف محاذوں پر ہاتھ پیر چلا رہے تھے- اسی جماعت کے ایک فاضل مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے شمالی ہند میں واقع میوات (ہریانہ) کے مسلمانوں کو شدھی سنگٹھن تحریک سے باز رکھنے اور وہاں کے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر قائم رکھنے کے لیے ۱۹۲۶ء میں تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی- بظاہر اس جماعت کا مقصد اور نعرہ یہی تھا کہ ”اے مسلمانو! مسلمان بنو“ مگر اپنے اس مقصد اور نعرے کی آڑ میں اپنے اس دیرینہ خواب کی تکمیل میں کامیابی حاصل کر لی، جس کے لیے اہل دیوبند مختلف محاذوں پر جدوجہد کر رہے تھے- یہ حقیقت ہے کہ عالمی سطح پر اس جماعت نے دیوبند کے دینی ومسلکی نظریات کی اشاعت میں جو کردار ادا کیا وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہ آسکا، جس کے دو بنیادی اسباب تھے: ایک تو یہ کہ اسے متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی حمایت وسرپرستی حاصل رہی اور دوسرا ان کی وہ مخصوص پالیسی جس پر وہ سختی سے عامل رہے کہ کسی سیاسی، مسلکی اور دینی ردو ابطال کے بغیر نماز اور کلمہ کے نام پر تحریک کو آگے بڑھایا جائے- ان دو اسباب کی وجہ سے عالمی سطح پر انہیں مسلم معاشرے میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور اب یہ جماعت دنیا کے ۱۵۰ ملکوں میں اپنا کام انجام دے رہی ہے- اس جماعت کی اندرونی پالیسی (دیوبند کے مسلکی نظریات کی اشاعت) اور تبلیغیوں کی مخصوص ہیئت وصورت اور طریقوں کو دیکھ کر بہت سے سیکولر مفکرین بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ”تبلیغی جماعت نے پہلے میواتیوں کو مسلمان بنایا اور اب مسلمانوں کو میواتی بنا رہی ہے-“ تبلیغی جماعت کی مذکورہ حقیقتوں کو علمائے اہل سنت کی جانب سے تحریری اور زبانی طور پر عوام کے سامنے واشگاف کرنے کے باوجود سچائی یہ ہے کہ اس تحریک کو روکا نہ جاسکا-

اسی جماعت کے اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے اور انہیں اپنے موروثی عقائد ومعمولات پر قائم رکھنے کے لیے آخر کار قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (۱۹۲۵/۲۰۰۲ء) کے ذہن میں اسی طرز کی ایک دعوتی وتبلیغی تحریک کی تشکیل کا خیال آیا جو عوامی سطح پر سیدھے سادے انداز میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے کر لوگوں کو سواد اعظم اہل سنت وجماعت پر قائم رکھے- ان کے ذہن میں اس خیال کی بنیاد شاید وہ فارمولہ تھا کہ جب کسی لکیر کو مٹانا مشکل ہو جائے تو اس کے مدمقابل ایک دوسری بڑی لکیر کھینچ دو، پہلی لکیر کا وزن اور اثر خود بخود کم ہو جائے گا- اس خیال کے پیش نظر حضرت علامہ نے ۱۹۸۱ء میں دار العلوم امجدیہ کراچی پاکستان کے اندر وہاں کے علماء کو اعتماد میں لے کر ایک دعوتی وتبلیغی تحریک بنام ”دعوت اسلامی“ کی بنیاد ڈالی، اس کا خاکہ مرتب کیا اور اس کا امیر حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری صاحب مدظلہ العالی کو نامزد فرمایا- اس طرح تبلیغی جماعت کے قیام (۱۹۲۶ء) کے پچپن سالوں بعد اہل سنت کی جانب سے ایک ایسی تحریک کی تشکیل عمل میں آئی جو عملی طور پر تبلیغی جماعت کی اندرونی پالیسیوں سے عوام اہل سنت کو محفوظ رکھ سکے-

دعوت اسلامی کو اپنے مقصد میں کامیابی: -دعوت اسلامی کی تشکیل کے بعد مولانا محمد الیاس عطار قادری نے اپنی قیادت میں عوامی سطح پر دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا اور صرف ۳۰ برس کے مختصر سے عرصے میں اپنی اور اپنے احباب کی بے پناہ قربانیوں، انتھک کوششوں اور بے مثال خلوص کے ذریعے اسے کامیابی کی بلندی پر پہنچا دیا اور اہل سنت وجماعت کی جانب سے تحریکی فقدان کے شکوے کو غلط ثابت کر کے دکھا دیا- دعوت اسلامی کے عالمگیر اثرات، کام کرنے کے طریقوں اور شعبوں پر نظر ڈالی جائے تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ اتنے کم عرصے میں اس نے کس طرح دعوت وتبلیغ کا

اتنا بڑا نیٹ ورک قائم کرلیا ہے- پھر خیال آتا ہے کہ جہاں جذبۂ صادق ہو، خلوص پیہم ہو، جہد مسلسل ہو اور پھر تائید غیبی حاصل ہو جائے تو حیرانی کیا ہے؟ انسان اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ خواہ کتنی بھی کوشش کرلے، ایک مومن کا ایقان یہ ہے کہ اگر تائید الٰہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا-

اس وقت دعوت اسلامی اپنے ۳۰ سے زائد فعال شعبوں کے ساتھ دنیا کے ۷۲ ملکوں میں کام کر رہی ہے- جہاں اس نے لاکھوں گمرہی اور بدعملی میں بھٹک رہے مسلمانوں کو اسلام کا صحیح راستہ دکھایا، انہیں باعمل اور شریعت محمدی کا پابند بنا دیا، ان کے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی اور مختلف ممالک میں سیکڑوں غیر مسلموں کو اپنی موثر دعوت سے ایمان و یقین کے اجالے میں لا کھڑا کیا- اس حقیقت کے اعتراف میں بھی ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ برصغیر ہند، پاک اور بنگلہ دیش کے وہ دور افتادہ علاقے جہاں دین کی معمولی سمجھ رکھنے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کو عوامی سطح پر قرآن و سنت کی تعلیم اور اہل سنت کے عقائد و معمولات سے قریب تر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، جس کی وجہ سے اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے کے باوجود کثیر تعداد میں لوگ تبلیغی جماعت میں چلے جاتے تھے، ایسے بہت سے علاقوں میں آج دعوت اسلامی اپنے ہفتہ واری اجتماعات اور دیگر مجالس سے انہیں باعمل اور سنتوں کا پابند بنا رہی ہے- اس طرح یہ بات نہایت اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ دعوت اسلامی اپنے مقصد تشکیل میں پورے طور پر کامیاب رہی ہے-

دعوت اسلامی کے شعبے:- دعوت اسلامی کے ۳۰ سے زائد شعبوں اور دعوت و تبلیغ کے وسیع ترنیٹ ورک پر نظر ڈالی جائے تو اس کی عالمگیر اہمیت اور اثرات کا اندازہ ہوتا ہے- ان شعبوں میں چند یہ ہیں جو سرگرمی سے اپنے کام کو انجام دے رہے ہیں:

۱- مجلس خدام المساجد: یہ شعبہ ملک و بیرون ملک میں مساجد کی تعمیرات کراتا ہے-
۲- مدرسۃ المدینہ: اس شعبے میں ہزاروں چھوٹے بچے اور بچیوں کو حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے-
۳- مدرسۃ المدینہ برائے بالغان: اس شعبے میں نوجوان اور بڑوں کو حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے-
۴- جامعۃ المدینہ: اس میں طلبہ اور طالبات کو درس نظامی پڑھایا جاتا ہے اور انہیں عالم اور عالمہ بنایا جاتا ہے-
۵- دار الافتاء اہل سنت: جہاں سے فتاوے کی شکل میں بے شمار مسائل کا شرعی حل بتایا جاتا ہے-
۶- تخصص فی الفقہ: جہاں طلبہ کو افتاء کی تربیت دی جاتی ہے-
۷- مجلس تحقیقات شرعیہ: جس میں امت کو درپیش جدید مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے-
۸- مجلس المدینۃ العلمیہ: یہ شعبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے افکار کو عام کرنے اور اصلاحی کتابوں کی تصنیف و تالیف کے لیے ہے، جہاں سے اب تک سیکڑوں کتابیں، خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی جد الممتار اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کی بہار شریعت تخریج و حواشی اور دیگر کتابیں تصنیف و تالیف ہو کر چھپ چکی ہیں-
۹- مجلس تفتیش کتب و رسائل: جہاں سے تصانیف و تالیفات کو شرعی اغلاط سے پاک رکھنے کے لیے ورک کیا جاتا ہے-
۱۰- مجلس مکتوبات و تعویذات: جس میں پریشان حال لوگوں کا روحانی علاج کیا جاتا ہے-
۱۱- مدنی انعامات کا تحفہ: اس شعبے کے تحت ملکی و بین الاقوامی اجتماعات کا انعقاد اور دیگر امور انجام پاتے ہیں-
۱۲- مکتبۃ المدینہ: جہاں سے اہل سنت و جماعت کے کتب و رسائل شائع کیے جاتے ہیں-

دعوت اسلامی کی مخالفت کیوں؟ عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کے حوالے سے دعوت اسلامی کی خدمات کے باوجود کچھ لوگ اس کی مخالفت پر آمادہ ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟ کیا دعوت اسلامی، اس کے امیر اور مبلغین اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات سے منحرف ہیں؟

میرا خیال ہے کہ مخالفت کا یہ سبب تو ہرگز نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس الزام کی تائید میں آج تک کوئی ایک معمولی ثبوت بھی پیش نہیں کیا جا سکا، نیز اپنی تشکیل سے آج تک اسے سیکڑوں معتمد اور مستند علمائے اہل سنت کی تائیدات اور سرپرستی حاصل رہی ہے، اسے اہل سنت و جماعت کا نیا فتنہ یا فرقہ کہنے سے پہلے ہمیں سنجیدگی سے غور کر لینا چاہیے کہ اس الزام کی ضرب کہاں کہاں لگتی ہے اور اہل سنت و جماعت کے مستند مفتیان کرام اور علما

مشائخ کا ایک بڑا طبقہ جماعت سے خارج ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہر دور میں انہوں نے اس کی زبانی و تحریری تائید فرمائی ہے- اس الزام کی حقیقت واضح ہونے کے بعد یہ بات تو صاف ہوگئی کہ دعوت اسلامی سے جن لوگوں کو اختلاف ہے وہ مسلکی اور مذہبی نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں اصولی اور بنیادی نہیں ہے، بلکہ فروعی اور اضافی ہے- یہ فروعی اور اضافی اختلاف کسی کو بھی کسی ادارہ، تنظیم، تحریک یا فرد سے ہوسکتا ہے، اس میں کوئی تعجب نہیں- دعوت اسلامی سے بھی یہ فرعی اختلاف دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اس کے طریق کار سے ہوسکتا ہے، کسی فرعی فقہی مسئلے میں ہوسکتا ہے، کسی مبلغ کے غیر اخلاقی کردار و عمل سے ہوسکتا ہے یا پھر اپنی ذاتی ناپسندیدگی کی بنیاد پر ہوسکتا ہے- ایسا ہوتا بھی ہے- لیکن مخالفت اور ہے، اس کا دائرہ اختلاف سے نکل جاتا ہے- ان تمام نوعیتوں کے اضافی اختلافات کی بنیاد پر اگر کوئی اس کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے، اس پر یا اس کے امیر پر خود ساختہ بہتان باندھتا ہے، کتابچوں، کتابوں اور اشتہارات کے ذریعے اسلام کی دعوت و تبلیغ کی اس عالم گیر تحریک کو بے اثر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل شرعی، دینی، سماجی اور اخلاقی طور پر قابل مذمت اور اس کے فکری دیوالیہ پن کا ثبوت ہے-

اختلافات میں افہام و تفہیم اور اس کی بنیاد پر اصلاحات کی گنجائش باقی رہتی ہے، جب کہ مخالفت میں یہ راہیں مسدود ہو جاتی ہیں- جو لوگ دین و مسلک میں مخلص ہوتے ہیں اور اس اخلاص کی بنیاد پر دوسروں کے اصلاح حال کا جذبہ رکھتے ہیں وہ کسی مسئلے پر کسی سے اختلاف تو کرتے ہیں، مخالفت نہیں کرتے جب تک کہ وہ اصولی مسئلے پر اتمام حجت نہیں کرلیتے- آج جو لوگ دعوت اسلامی کی مخالفت کر کے اسے بے اثر کرنے کے درپے ہیں وہ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا وہ اپنے مذہب و مسلک کے لیے مخلص ہیں؟ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خود قرآن و سنت کی دعوت اور اس کی اشاعت کے لیے کتنا کام کیا؟ اور تبلیغی جماعت کے بالمقابل دعوت اسلامی کے علاوہ ان کے پاس ایسی کون سی تحریک یا تنظیم ہے جسے وہ بدل کے طور پر پیش کرسکتے ہیں؟ ان سوالات کا تشفی بخش جواب اگر وہ خود کو نہ دے سکیں تو خدارا جزوی اختلافات کی بنیادوں پر دعوت اسلامی سے مخالفت کا بازار بند کریں اور اہل سنت کے ہر فرد، ادارہ، تنظیم اور تحریک کو اپنا اپنا کام کرنے دیں اور خود بھی کسی اچھے اور تعمیری کام میں لگ جائیں-

ایک عبرتناک واقعہ: یہ واقعہ ۱۹۹۸ء کا ہے، جب حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ باحیات تھے اور اپنی زندگی کے آخری دور سے گزر رہے تھے، اس وقت وہ حکیم سید محمد احمد صاحب کے زیر علاج تھے اور اس سلسلے میں انہی کے ادارے جامعہ غوثیہ رضویہ پیر والی گلی سہارنپور میں فروکش تھے، اس ادارے کی سرپرستی خود حضرت علامہ کیا کرتے تھے اور انہی کی تحریک پر سنیت کی اشاعت کے لیے بدمذہبوں کے درمیان یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا- وہاں قیام کے دوران سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے ۷۸۶واں سالانہ عرس کی تاریخ آگئی اور ادارے میں ایک بڑی محفل کا انعقاد کیا گیا، جس میں شہر کے سیکڑوں خوش عقیدہ افراد نے بھی شرکت کی- اس روحانی محفل کے اختتام کے بعد اچانک ایک شخص اٹھا اور دعوت اسلامی کی مخالفت میں ایک کتابچہ بعنوان ''ایمان کی حفاظت کیسے کریں؟'' تقسیم کرنے لگا، روحانیت کی ایسی محفل میں اس بدمزگی سے لوگ حیران و پریشان چہ می گوئیاں کرنے لگے، ماحول زیادہ خراب اور کشیدہ نہ ہوجائے یہ سوچ کر مولانا مجیب الرحمٰن علیمی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد) جو اس وقت ادارے کے طالب علم تھے اور ان کے کچھ ساتھی اس کتابچے کو لے کر دوڑتے ہوئے حضرت علامہ کے پاس پہنچے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا- حضرت نے کتابچہ دیکھتے ہی غصے سے فرمایا کہ ''جاؤ! اسے فوراً روکو اور پکڑ کر میرے پاس لاؤ-'' طلبہ نے حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو حضرت کے روبرو لا کھڑا کیا، اس شخص سے جب اس کا نام اور اتا پتا پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ بریلی کا رہنے والا کوئی سعید حسن انجینئر ہے- یہ سنتے ہی حضرت کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا اور اس کی اس مذموم حرکت پر حضرت نے اسے خوب ڈانٹا پھٹکارا- وہاں کے جو اساتذہ مثلاً مولانا عبد القیوم صاحب، مولانا غلام غوث مصباحی صاحب اور جو طلبہ موجود تھے وہ بتاتے ہیں کہ حضرت اس شخص کو ڈانٹتے ڈانٹتے درد و کرب سے زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ: ''اگر مولانا الیاس قادری یا تحریک دعوت اسلامی بدعقیدہ اور وہابی تحریک ہے تو میں بھی ہوں، کیوں کہ مولانا الیاس قادری کو امارت تفویض کرنے اور دعوت اسلامی کی تشکیل میں میرا ہی ہاتھ ہے-'' پھر اسے اہل سنت میں انتشار و افتراق سے باز رہنے کی سختی سے تلقین فرمائی اور اہل سنت کے مابین اتحاد و اتفاق کی بنیاد پر مثبت اور تعمیری کام کرنے کا مشورہ دیا-

افسوس! کہ انجینئر موصوف نے اس واقعے اور حضرت علامہ کی نصیحت سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اب دعوت اسلامی کی مخالفت میں خود

ساختہ (Fabricted) الزامات اور اتہامات پر اتر آئے ہیں، جس کا علم ہمیں تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری کے رضوی دارالافتاء کے سینئر مفتی حضرت قاضی عبدالرحیم بستوی صاحب کے حالیہ فتوے سے ہوا، وہ فرماتے ہیں:

''انجینئر سعید حسن نے مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی جانب جو تحریر منسوب کی تھی اور وہ ثابت نہ کر سکے اور تحریر (علماء مقدس پتھر ہیں...) جعلی ثابت ہوئی تھی، اس لیے انجینئر سعید حسن کو توبہ کا حکم دیا گیا تھا- وہ جواب بالکل درست ہے اور جس تحریر (علماء مقدس پتھر ہیں...وغیرہ) کی نسبت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی جانب کی گئی ہے، وہ جعلی و غلط ہے اور ایسے لوگ لائق تحسین نہیں ہیں جو مسلمانوں کے درمیان افتراق و اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں-''

اکیسویں صدی اور تصویر کا مسئلہ:- اکیسویں صدی ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک انقلابات کی صدی ہے، جس نے پوری دنیا کے فاصلوں کو ختم کر کے ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے- میرا خیال ہے کہ اس صدی کے اوائل میں اب یہ بحث غیر ضروری ہو گئی ہے کہ تصویر سازی اور اس کا استعمال شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس سلسلے میں عالم اسلام کے علماء و مفتیان کرام کا موقف تحریری و عملی طور پر سامنے آ چکا ہے، رہی بات ہندوستانی علماء کی تو ذرائع ابلاغ کی ہمہ گیر افادیت و ضرورت اور اس خصوص میں الیکٹرانک میڈیا کے عالمگیر اثرات کے باوجود علماء کا ایک بہت ہی محدود طبقہ تصویر سازی اور اس کے استعمال کو حرام قرار دے کر اس کی مخالفت پر آمادہ ہے، ایسے علماء کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے- ہندوستان کے اندر ماضی میں حال کی بہ نسبت ان کی تعداد زیادہ تھی، مگر جیسے جیسے انھیں ذرائع ابلاغ کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ ہوتا گیا وہ تصویر سازی اور اس کے استعمال کو ''شرعی حاجت'' کے زمرے میں داخل کر کے اس کے مشروط جواز کے قائل ہوتے گئے اور جو لوگ اب تک کسی مصلحت یا تحفظ کی وجہ سے زبانی یا تحریری طور پر اس کی حمایت نہ کر سکے انھوں نے عملی طور پر اس کا اظہار کر دیا- اس طرح گنتی کے چند علماء کو چھوڑ کر ہر مسلک و مکتب فکر کے علماء کے نزدیک تصویر سازی اب کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے- اپنے موقف کی اشاعت اور نظریات کی ترسیل کے لیے ہر سطح پر ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال ہو رہا ہے، نئے نئے چینل، ویب سائٹس اور رسائل و اخبارات میدان میں آ رہے ہیں اور سرعت سے دین و ملت کا کام عالمی پیمانے پر انجام پا رہا ہے- زندگی کی ان مصروفیات کے بیچ اگر چند لوگ اب بھی پرانی لکیریں پیٹ رہے ہیں اور ہوائی جہاز کے دور میں بیل گاڑی کے ذریعے دور دراز کا سفر کرنے پر مصر ہیں تو انھیں کرنے دیں- ان کے اس عمل سے زندگی کا دوڑتا ہوا کارواں نہیں رک جاتا-

لطف کی بات تو یہ ہے کہ اس طبقہ کے اکثر افراد یا تو تصویر سازی اور اس کے استعمال کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر نفاق Hypocrisy میں زندگی گزار رہے ہیں، کیونکہ ان کا عمل ان کے قول سے مختلف ہے یا پھر ان کا مبلغ علمی اس مسئلے میں شرعی نصوص کے مقاصد و مطالب تک نہیں پہنچ سکا ہے- ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شریعت کا کوئی بھی حکم خواہ وہ حرام ہو یا حلال اپنے ساتھ مقصد اور حکمت لیے ہوتا ہے- اس مقصد و حکمت کو نظر انداز کر کے جب بھی کوئی شرعی فیصلہ صادر کیا جائے گا اس کے نتائج صحیح برآمد نہیں ہوں گے- تصویر بنانے اور رکھنے کے تعلق سے جن احادیث میں ممانعت آئی ہے، ان کے مقصد و حکمت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ممانعت کا تعلق ''پرستش'' سے ہے- عہد رسالت مآب میں لوگ تصاویر بنا کر ان کی پرستش اور عبادت کیا کرتے تھے، اس لیے شارع اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے پر ہی پابندی عائد کر دی تا کہ وہ شاخ ہی نہ رہے جس پر آشیانہ تعمیر ہو سکے- اب بھی اگر تصویر یا پینٹنگ اس مقصد کے لیے بنائی جاتی ہے تو حدیث کی رو سے ان پر وہی حکم نافذ ہوگا، لیکن اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کا استعمال دینی، شرعی اور ملی کاز کے لیے کیا جا رہا ہے تو پھر مقصد کے بدل جانے سے وہ حکم بھی ختم ہو گا- اس کی مثال بخاری کی اس حدیث میں ملتی ہے جس میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک مرتبہ اپنے گھر میں ایک ایسا پردہ لگایا جس میں جاندار کی تصویریں تھیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لائے اور پردے کو دیکھا تو فرمایا کہ اس پردے کو کاٹ کر مسندوں کے غلاف بنا لو یا پاپوش- اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر جاندار کی تصویر مطلقاً حرام ہوتی تو پیغمبر اسلام اسے پاپوش یا مسندوں کے غلاف بنانے کی اجازت نہ دیتے- ان کی اجازت اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر جاندار کی تصویر رکھنے میں احترام، پرستش یا عبادت کا کوئی پہلو نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور نہ اس کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ-

یہاں مجھے اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ تصویر سازی اور اس کے استعمال کو حرام قرار دینے والے علماء میں بعض ایسی بھی قابل قدر شخصیتیں ہیں جو اپنے علم ویقین اور تقویٰ کی بنیادوں پر اسے غلط سمجھتی ہیں- یہ وہ لوگ ہیں جو نفاق میں زندگی نہیں گزارتے بلکہ صحیح معنوں میں اس سے بچنے کو کوشش کرتے ہیں- ایسے علماء کے خلوص اور تقویٰ کی قدر کی جانی چاہیے، کیونکہ دین میں اخلاص اور تقویٰ کو فضیلت کا معیار قرار دیا گیا ہے- لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکیسویں صدی ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک انقلابات کی صدی ہے، اس دور میں اگر کوئی فوٹوگرافی، ویڈیوگرافی، ٹیلی چینل اور تصویر سازی کی مخالفت پر کمربستہ ہے تو وہ یقیناً دوزخی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگا، کیونکہ اس دور میں اس کا عمل اس کے قول کا ساتھ نہیں دے سکتا- کسی بھی ملک میں رہنے کے لیے اسے شناختی کارڈ، ووٹ دینے کے لیے ووٹر آئی کارڈ، گھریلو ضروریات کے لیے راشن کارڈ، سفر کے لیے پاسپورٹ، گاڑی رکھنے اور چلانے کے لیے لائسنس، گھر خریدنے اور بیچنے کے لیے رجسٹری پیپرز اور ان جیسے دیگر امور کی ضرورت لازمی ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں بغیر فوٹو کے نہیں حاصل ہو سکتیں- اگر ایسے لوگ ان چیزوں کے لیے تصویر کشی کے حلال ہونے کو شرعی ضرورت مانتے ہیں جو ان کی ذاتی اور شخصی نوعیت کی ہیں تو پھر کم از کم ایمانی جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ گمراہیوں کے طوفان میں اسلام کے آفاقی پیغام کی ترسیل، امت کی اصلاح اور اقامت دین کے لیے الیکٹرانک میڈیا کا استعمال تو بدرجۂ اولیٰ شرعی حاجت کے دائرے میں آجانا چاہیے-

مدنی چینل: دور جدید کی گمرہیت کا جواب:- قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوت اسلامی" نے بھی اسی "شرعی حاجت" کے پیش نظر 2009 میں "مدنی چینل" کے نام سے اپنا چینل لانچ کیا، جو آج عالمی سطح پر کروڑوں افراد کے درمیان اسلام کی دعوت وتبلیغ، صالح معاشرے کی تشکیل اور امت مسلمہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دے رہا ہے- اہل سنت وجماعت کی جانب سے دعوت اسلامی کی یہ گراں قدر پیش کش برقی دعوت وتبلیغ کی راہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے- اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے شرعی تقاضوں کا خیال رکھا ہے اور جو لوگ بڑے پیمانے پر الیکٹرانک میڈیم کے ذریعہ اسلامی نظریات کی ترسیل کے خواہاں ہیں، ان کے سامنے اپنے آپ کو رول ماڈل کی حیثیت سے پیش کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر عوام کے ساتھ ساتھ علماء ومشائخ اور مفتیان کرام بھی اس چینل کے مداح ہیں، اس کی خدمات کو بنظر استحسان دیکھ رہے ہیں اور اس کے کاموں کی تائید کر رہے ہیں- اس کی مثال مدنی چینل کی حمایت میں محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب صدر دار الافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اس وقیع فتوے سے دی جا سکتی ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے، جس کو انہوں نے یکم اکتوبر 2009ء کو لکھا ہے- وہ فرماتے ہیں:

"مدنی چینل کے جو دینی سلسلے براہ راست دکھائے جاتے ہیں وہ اگر جاندار کی تصویر کشی سے پاک ہیں جیسا کہ میوزک اور عورت سے پاک ہیں تو انہیں دیکھنا، دکھانا جائز ہے- اور جو دینی سلسلے ایسی تصویر کشی سے پاک نہیں انہیں دیکھنا، دکھانا ایک طبقۂ علما کے نزدیک ناجائز اور ایک طبقہ کے نزدیک جائز ہے- راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ اگر ٹی وی سے دینی سلسلے نشر کرنے کی شرعی حاجت متحقق ہو اور ان سے وہ حاجت پوری ہوتی بھی ہو تو صورت مستفسرہ میں اجازت ہوگی کہ حاجت کی وجہ سے اس طرح کے محظور مباح ہو جاتے ہیں-"

آگے مزید فرماتے ہیں: "یہ امر واقعہ ہے کہ آج زیادہ تر باطل فرقوں اور بدمذہبوں کے پاس اپنے ٹی وی چینل ہیں جن کے ذریعہ وہ دین و مذہب اور قرآن وحدیث کے نام پر گمراہانہ بلکہ کفری عقائد تک نشر کرتے ہیں، بالخصوص رافضیوں، قادیانیوں، وہابیوں اور دیوبندیوں کے اپنے چینل ہیں جو اسلام اور درس حدیث وغیرہ کے نام پر اپنے کفری عقائد اور باطل افکار وخیالات کا زہر ناواقف عوام کے اذہان وقلوب میں پیوست کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں- ظاہر ہے کہ اس سے بے شمار اذہان وقلوب متاثر ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں جن کا علاج فوری طور پر ضروری ہوتا ہے، مگر ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ اولاً ہمیں ان بدمذہبوں کی خرافات اور سازشوں کا علم نہیں- ثانیاً علم بھی ہو تو معاذ اللہ، استغفر اللہ پڑھ کر خاموش ہو رہے- یا اس کے بارے میں کوئی سوال آگیا تو اس کا جواب لکھ دیا جو معدودے چند نظروں تک پہنچا یا زیادہ سے زیادہ کوئی مضمون لکھ دیا جو اگر کہیں شائع ہو گیا تو ہزار پانچ سو افراد نے پڑھ لیا یا کسی جلسے میں اس کے خلاف تقریر کر دی جو ہزار دو ہزار لوگوں نے سن لی- ظاہر ہے ہماری یہ کوششیں بہت محدود ہیں، جن سے ایک عام اور متعدی وبا کے تباہ کن، دور رس اور دیرپا اثرات سے عامۂ امت کو نہیں بچایا جا سکتا، اس لیے مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ اور سچے اسلامی عقائد وتعلیمات سے دنیا کو روشناس کرانے نیز کتاب وسنت کا صحیح مفہوم ان تک پہنچانے کے

(مکمل فتویٰ اظہار خیالات کے کالم میں ملاحظہ فرمائیں)
لیے آج ہم اہل وسنت وجماعت کو ٹی وی چینل کی حاجت ہے۔"
مفتی صاحب کی دقت نظر اور فہم وشعور کو سلام، جنہوں نے زمانے کے شدید تقاضے کو سمجھا اور اس کے حل کے لیے شرعی طور پر اپنا مبسوط نقطۂ
نظر پیش فرمادیا۔ دیگر مذاہب وادیان کے بالمقابل شریعت محمدی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ہر دور میں رونما ہونے والے مسائل کا حل
اپنے اندر رکھتی ہے، اس لیے کہ وہ عسر کی نہیں یسر کی قائل ہے۔ اس کی آفاقیت اور جامعیت کی سب سے بڑی دلیل بھی یہی ہے کہ وہ منجمد نہیں بلکہ
امت میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے اپنے دامن میں بے پناہ وسعت رکھتی ہے۔ وہ امت کو کسی پریشانی میں نہیں ڈالتی بلکہ حالات کے زیر اثر
انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کی صلاحیت کے مطابق مسائل کا تدارک چاہتی ہے اور اجازت ورخصت عطا کرتی ہے۔ اہل فہم اس نکتے پر اگر غور
کریں تو انہیں شریعت کے اوامر ونواہی میں اس کے بے شمار مظاہر نظر آجائیں گے۔ اسلام نے اگر امت محمدی پر پنج وقتہ نماز کی فرضیت اور مشروعیت
کا حکم دیا تو اس کی ادائیگی کے لیے حالات کے مطابق آسانیاں بھی پیدا فرمادی، ہمیں اگر وضو کے لیے پانی میسر نہیں تو زمین کی وسعتوں میں کسی بھی
پاک مٹی پر تیمم کر کے ہم نماز ادا کرسکتے ہیں، جب ہم سفر پر نکلتے ہیں تو ہمیں مختلف مشکلات اور تنگی کا سامنا رہتا ہے، ایسے موقعوں پر ہم فرض نمازوں
میں قصر کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اسلام نے جن چیزوں کو قطعی ممنوعات کے دائرے میں رکھا ہے، ان کو بھی کسی شدید حاجت وضرورت کے وقت مباح
قرار دے دیا۔ ان تمام مسائل میں رخصت اور نرمی کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ امت کو اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کسی ایسی پریشانی
کا سامنا نہ ہو جو اس کی فطری صلاحیت ولیاقت سے باہر ہو۔
جو لوگ تصویر کی حرمت کا موقف رکھتے ہیں، وہ بھی شریعت کے اسی اصول کی بنیاد پر چند استثنائی صورتوں میں رخصت کے قائل ہیں۔ وہ
استثنائی صورتیں ذاتیات پر مشتمل ہیں۔ لیکن آج گلوبلائزیشن اور صارفیت کے دور میں اسلام کو جن مشکلات کا سامنا ہے، اس سوال کا جواب ان
کے ذمہ اس وقت تک رہے گا جب تک وہ امت مسلمہ کو یہ نہیں بتادیتے کہ انٹرنیٹ، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بدمذہبیت، خدا
بیزاریت، گمراہیت، مغربیت اور اسلام مخالفت کی جو یلغار ہو رہی ہے اور نئی نسلوں کے افکار کو تباہی کا جو سامان فراہم کیا جارہا ہے، اسے کس طرح
روکا جائے؟ چند ہزار کے روایتی جلسوں، جلوسوں اور کتابوں کے محدود ذرائع سے بات نہیں بنتی۔ جمہوریت کے اس دور میں جب کہ ہر شخص کو اظہار
رائے کی آزادی حاصل ہے، ان پر قانونی طور پر پابندی بھی عائد نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی صارفیت کی اس صدی میں روایتی طریقوں سے اس مسئلے کا
حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ پھر اس پیچیدہ مسئلے کا حل کیا ہے؟ اسلام کو عالمی سطح پر اپنے درست نظریات کی ترسیل، خدائی حکمت کی تنفیذ اور صالح
معاشرے کی تشکیل میں جو مسائل درپیش ہیں، انہیں کیسے حل کیا جائے، جب تک ہم یہ نہیں بتادیتے صرف یہ کہنے سے بات مکمل نہیں ہوتی اور نہ ہی
ہم اپنی مذہبی وشرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں کہ "تصویر کے سلسلے میں میرا موقف حرام کا ہے۔"
ان تمام سوالوں کا جواب دعوت اسلامی نے "مدنی چینل" کی تشکیل کر کے عملی طور پر فراہم کردیا ہے، ہم اگر اس کی مدد نہیں کرسکتے یا ہمارا تقویٰ
اس کی مشروعیت کا اقرار کرنے سے مانع ہے تو کم از کم یہی سوچ کر ہم خاموش رہیں کہ اس چینل کے ذریعے بیک وقت بے شمار ملکوں کے کروڑوں
لاکھوں افراد تک اسلام کی دعوت پہنچ رہی ہے، محبت رسول کی تعلیم عام ہو رہی ہے، اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے معاملات سکھائے جارہے
ہیں، اس طرح وسیع پیمانے پر امت کی اصلاح کا کام ہو رہا ہے۔ ہماری خاموشی ان کی بہت بڑی مدد ہوگی۔
آخری بات: ۔ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد ہوسکتا ہے تصویر اور عکس کی بحث چھیڑ کر درسگاہی چناں وچنیں کے ذریعے اپنی علمی صلاحیتوں کا
اشتہار کیا جائے، اپنے اپنے ممدوح کی عقیدت ومحبت میں اپنے وسیع تر وسائل کے ذریعے تصویر کے عدم جواز پر مجادلے کا ماحول برپا کیا جائے اور
دعوت اسلامی کی مخالفت میں اتہامات والزامات کا بازار بھی گرم کیا جائے، لیکن ان تمام لاحاصل جدوجہد کے باوجود یہ سوالات اپنی جگہ بدستور قائم
رہیں گے کہ آج الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے گمرہیت اور لادینیت کا جو طوفان برپا ہے، ایسے میں اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو کیسے بچایا جائے؟
اور دعوت اسلامی کے بالمقابل ایسی کون سی تنظیم یا تحریک ہے جو عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہماری مخالفت اور
زور بیانی ان حقائق وسوالات کا جواب نہیں بن سکتی۔ □□□

مولانا لیٰسین اختر مصباحی☆

دوسری اور آخری قسط

شاہراہ سواد اعظم

انیسویں اور بیسویں صدی میں کاروان سواد اعظم اور مارہرہ، بدایوں اور بریلی کے تثلیثی زاویے

ہندوستان میں اہل سنت اور اہل تشیع غالباً اسی وقت سے ہیں جب سے خود اسلام ہے- البتہ کہا جاتا ہے کہ اہل سنت کے اندر افتراق و انتشار انیسویں صدی میں شاہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان سے پیدا ہوئی- اس وقت دہلی، خیرآباد، بدایوں اور دوسرے علمی مراکز کے علما نے بڑھ کر شاہراہ سواد اعظم کو گرد و غبار سے صاف کیا- یہ کام بعد کے زمانے میں بھی ہوتا رہا اور بطور خاص بدایوں، بریلی اور مارہرہ کی تثلیث نے اس کام کو بہت ہی منظم انداز میں آگے بڑھایا- بدایوں کے ممتاز عالم دین سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی نے جو شاہ اسمٰعیل کے معاصر بھی تھے، شاہ اسمٰعیل کے پیدا کردہ "مسائل و اجتہادات" پر متعدد کتابیں لکھیں، جن میں پانچ کتابیں (۱) فصل الخطاب (۲) اکمال فی بحث شد الرحال (۳) حرز معظم (۴) فوز المبین بشفاعۃ الشافعین (۵) ایک تاریخی فتویٰ، نئی آب و تاب اور مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کی تحقیق و نظر ثانی کے بعد رضا اکیڈمی ممبئی سے ایک ساتھ "مجموعہ رسائل فضل رسول" کے نام سے شائع ہو رہی ہیں- اہل سنت کے نامور عالم دین حضرت مولانا لیٰسین اختر مصباحی نے اس مجموعے پر ایک وقیع مقدمہ "الکلام المقبول فی رسائل فضل رسول" کے نام سے سپرد قلم فرمایا- جس میں شاہراہ سواد اعظم کی توضیح و تشریح کے ساتھ علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت شان، مارہرہ، بدایوں اور بریلی کے گہرے روابط اور عصر حاضر میں ان کے اتحاد و اتفاق اور قیادت و سیادت پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے- تحریر کی اہمیت کے پیش نظر اس مقدمے کو جام نور میں شائع کیا جا رہا ہے- واضح رہے کہ یہاں اس حصے کو حذف کر دیا گیا ہے، جس کا تعلق مذکورہ پانچ رسائل کے تعارف و تبصرے سے ہے- (ادارہ)

علامہ فضل رسول بدایونی جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ایک مشہور طبیب بھی تھے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دست شفا سے نوازا تھا- ۱۲۶۸ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ایک بیٹی بیمار ہوئی تو اس نے آپ کو دہلی مدعو کر کے اپنی بیٹی کا علاج کرایا جس سے اسے شفا مل گئی- بہادر شاہ ظفر نے کچھ نذر پیش کرنی چاہی تو آپ نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے اپنی اس مبارک خواہش کا اظہار کیا کہ اگر آپ مجھے کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک جو بطور تبرک محفوظ ہے وہ مجھے عنایت کر دیں، چنانچہ بہادر شاہ ظفر نے آپ کی خواہش کے احترام میں وہ موئے مبارک آپ کو دے دیا جسے ہاتھی کے اوپر ادب و احترام کے ساتھ رکھ کر دہلی سے بدایوں لے جایا گیا اور عرس قادری بدایوں میں آج بھی ہر سال اس کی زیارت کرائی جاتی ہے-

مولانا محمود احمد قادری رفاقتی مظفرپوری لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیف اللہ المسلول (علامہ فضل رسول بدایونی) صف اول کے اُن ممتاز علما و مشائخ میں تھے جنہوں نے فتنۂ وہابیت کے سد باب کے لیے سعی بلیغ فرمائی- آپ کی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات قدسی صفات کی وجہ سے دور اول میں اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق "بدایونی" اور "خیرآبادی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے-" (ص: ۱۹۴، تذکرۂ علمائے اہل سنت، مطبوعہ کانپور- ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

اِثباتِ عقائد اہل سنت و تردید فرق باطلہ پر مشتمل علامہ فضل رسول بدایونی کی مشہور کتاب "المعتقد المنتقد" پر علامہ فضل حق خیرآبادی و مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی و شاہ احمد سعید نقش بندی مجددی کی تحریری تصدیقات ہیں- دور مابعد میں اس المعتقد المنتقد پر فقیہ اسلام حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متولد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء- متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے بھی ایک معرکۃ الآرا حاشیہ تحریر کیا ہے- متن مع حاشیہ کی متعدد اشاعتیں ہو چکی ہیں- حاشیہ کا نام المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد ہے-

"مجموعۂ رسائل فضل رسول" اسی عظیم شخصیت کی تحریرات کا ایک مستند اور باوقار و گراں قدر مجموعہ ہے جس میں (۱) فصل الخطاب (۲) اِکمال فی بحث شد الرجال (۳) حرز معظم (۴) فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعین کے علاوہ وہ تاریخی

☆Darulqalam,Qadri Masjid,Jogabai,Sir Syed Road,Okhla,New Delhi-25

فتویٰ بھی ہے جسے آپ نے بہادر شاہ ظفر کے استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا تھا-مولانا محمد یعقوب ضیا قادری بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء کراچی) نے اپنی کتاب اکمل التاریخ حصہ دوم ص۱۵۴ تا ۱۶۹، مطبوعہ مطبع قادری بدایوں میں اسے درج کر کے محفوظ کر دیا ہے-

آپ کی مزید کتابیں یہ ہیں: بوارقِ محمدیہ، تصحیح المسائل، تلخیص الحق، احقاق الحق، شرح فصوص الحکم، طریقت، حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ، حاشیہ میر زاہد ملا جلال، الطب الغریب - معتقد مبین، شرح احادیث متعلقہ ابواب صحیح مسلم-

علامہ فضل رسول بدایونی کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا شاہ محی الدین بدایونی (متوفی ۱۲۷۰ھ) ومحب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) اور آپ کے خواہر زادہ مجاہد جنگ آزادی حضرت مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کے علاوہ مفتی اسد اللہ الہ آبادی ومولانا عنایت رسول چریاکوٹی ومولانا احمد سعید نقشبندی مجددی دہلوی ومولانا سید عبد الفتاح گلشن آبادی ومولانا عبد القادر حیدر آبادی وغیرہم معروف علمائے کرام ہیں اور بعض مشاہیر شخصیتیں آپ کے خلفا میں شامل ہیں-

محب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر عثمانی قادری برکاتی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) حضرت علامہ فضل رسول کے بلند اقبال اور نامور فرزند اور امام الحکمۃ والکلام علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے جن کے فرزندانِ گرامی قدر حضرت مولانا مطیع الرسول محمد عبد المقتدر بدایونی (وصال ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء) وحضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبد القدیر بدایونی (وصال ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) بھی علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تھے-

حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی بڑے جید اور مقتدر عالم دین تھے-اجلاسِ اصلاح ندوہ پٹنہ رجب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں آپ ہی نے امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر فرماتے ہوئے سیکڑوں علماء ومشائخ اہل سنت اور ہزاروں سامعین وحاضرین کے سامنے امام احمد رضا کو "مجدد مائۃ حاضرہ" کہہ کر خطاب کیا تھا (دربارِ حق وصداقت مرتبہ قاضی عبد الوحید عظیم آبادی) جسے عوام وخواص اور علماء ومشائخ کے نزدیک قبولِ عام حاصل ہوا-مجدد کہنے اور لکھنے کا آغاز کب سے اور کس کے ذریعہ ہوا؟ اس سے متعلق مولانا محمود احمد قادری رفاقتی لکھتے ہیں کہ:

"مکتوبات علماء وکلام اہل صفا" اور "التعلیق المجلی" مؤلفہ حضرت امام العصر محدث سورتی قدس سرہ کے مندرجات سے محقق ہے کہ ۱۳۱۴ھ ہی سے اور یہ کہ سب سے پہلے حضرت امام العصر شیخ المحدثین امام وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی آل رسولی فاضل بریلوی کو مجدد لکھنا شروع کر دیا تھا-

(ص:۱۸، حیات آل رسول احمدی مارہروی-مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری خانقاہ رفاقتی اشرفی اسلام آباد (بھوانی پور) ضلع مظفر پور-بہار-۱۴۰۵ھ/۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی بھی بڑے جلیل القدر عالم وفاضل اور مفتی اعظم حیدر آباد دکن تھے-آپ نے متعدد مرتبہ زیارتِ بغداد مقدسہ کی سعادت حاصل کی تھی-آپ ہی کے فرزند حضرت مولانا عبد الحمید سالم القادری بدایونی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں ہیں جن کے صاحبزادہ مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری ولی عہد آستانہ قادریہ بدایوں ہیں-

مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی حضرت تاج الفحول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تقریب بسم اللہ خوانی آپ کے جدِ امجد حضرت قدس سرہ المجید نے ادا فرمائی-اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا-حضرت استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ جو آپ کے عم مکرم تھے کمالاتِ علمیہ میں آپ کو معراجِ کمال تک پہنچایا-اس کے بعد آپ نے معقول کو استاذِ مطلق علامۂ عصر جناب مولانا فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ سے بکمالِ تحقیق اخذ فرمایا-

حضرت استاذِ مطلق اپنے تلامذہ میں سے آپ پر ناز کرتے-آپ کی تعلیم مایۂ اعزاز جانتے اور آپ پر ہمیشہ فخر کرتے-اکثر فرمایا کرتے کہ:

صاحب قوتِ قدسیہ ہر زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے-وقتاً فوقتاً اور عصر ابعد عصر پیدا ہوتے ہیں-اگر اس زمانہ میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ: یہ ہیں-

یہ ہی بار بار کہا کرتے کہ ان کے ذہن کی جودت وسلامت

ابوالفضل و فیضی کے اذہانِ ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے۔

اسی طرح آپ کے والد ماجد آپ کے ذہن خداداد کی شان میں ارشاد فرماتے کہ: ''مجھ سے مولانا فیض احمد صاحب قدس سرہ کی ذہانت وذکاوت زیادہ ہے، مگر برخوردار عبدالقادر کی ذہانت مجھ سے اور مولانا فیض احمد صاحب قدس سرہ دونوں سے زیادہ ہے''۔

مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کے صدہا شاگردوں میں چار بزرگ عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں۔ ایک مولانا کے صاجزادہ مولانا عبدالحق صاحب، دوسرے مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری، تیسرے مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری، چوتھے حضرت تاج الفحول رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم۔

لیکن بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی ہر سہ اصحاب کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحیدِ روزگار ہیں، مگر حضرت تاج الفحول کا تبحر اور جامعیت جملہ علوم وفنون میں ہے۔

(ص:۲۰۷، اکمل التاریخ، حصہ دوم، مطبوعہ بدایوں)

نور العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی (متوفی رجب ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) حضرت تاج الفحول کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

''جو میرا مرید ہے وہ حضرت کا مرید ہے۔ جو حضرت تاج الفحول کا مرید ہے وہ میرا مرید ہے۔ ان کا مخالف میرا مخالف ہے۔ میرا مخالف ان کا مخالف ہے۔'' (حاشیہ بر ص:۸۷، اکمل التاریخ حصہ دوم) ''ہمارے دور میں سنیت کی شناخت محبتِ مولانا عبدالقادر ہے۔ ہرگز کوئی بدمذہب ان سے محبت نہ رکھے گا۔''

(ص:۱۳۹، تذکرۂ نوری، مؤلفہ غلام شبر نوری بدایونی)

مولانا محبّ احمد بدایونی، مولانا فضل احمد بدایونی، مولانا فضل مجید بدایونی، قاضی ظہور الاسلام عباسی، مولانا محمد عمر قادری حیدرآبادی، مولانا سید شاہ عبدالصمد مودودی چشتی، مولانا سید شاہ حسین حیدر مارہروی، مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن مارہروی، مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی، مولانا عبدالرزاق مکی، مولانا سید مصطفیٰ قادری تاجدارِ مسندِ غوثیہ بغداد شریف وغیرہم رضوان اللہ علیھم اجمعین حضرت تاج الفحول کے معروف تلامذہ ہیں۔

محبّ رسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کی نشان دہی وہدایت کے مطابق رئیس المتکلمین حضرت مولانا نقی علی بریلوی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) وفقیہ اسلام امام اہلِ سنت حضرت مولانا احمد رضا بریلوی (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) آپ کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوکر حضرت خاتم الاکابر سے بیعت اور پھر اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، مؤلفہ مولانا ظفرالدین قادری رضوی، مطبوعہ کراچی ولاہور وبمبئی) حضرت مولانا ظفرالدین قادری رضوی اس واقعۂ بیعت وخلافت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں صاحب (مارہروی) کا بیان ہے کہ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز نے فقیر سے بیان فرمایا کہ مولانا نقی علی خاں صاحب والد ماجد حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنی بیعت کے ارادے کا اظہار فرمایا۔ اس سے پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب بہ خیال بیعت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاچکے تھے اور وہاں سے بغیر بیعت واپس آچکے تھے۔ مولانا بدایونی نے مولانا نقی علی خاں صاحب کو یہ جواب دیا کہ: ''آپ امرِ بیعت میں مجھ پر اعتماد رکھتے ہیں تو جس جگہ مناسب جان کر میں آپ کو بیعت کرادوں وہاں منظور کر لیجیے۔''

مولانا (نقی علی) بریلوی کی طرف سے اس پر رضامند ہونے کے بعد مولانا (عبدالقادر) بدایونی، مولانا نقی علی خاں صاحب، مولانا احمد رضا صاحب اور مرزا غلام قادر بیگ کو ہمراہ لے کر مارہرہ تشریف لائے۔ چوں کہ مولانا نقی علی خاں صاحب نے فرمایا کہ میں بغیر تجدید غسل کیے ہوئے خانقاہ برکاتیہ میں حاضر نہ ہوں گا، لہٰذا سب حضرات پہلے مارہرہ میں ایک سرائے میں جاکر فروکش ہوئے، مگر سرائے کے راستے میں سواری کا یکہ الٹ گیا اور مولانا نقی علی خاں صاحب کو چوٹ لگی۔ پھر اسی حالت میں انھوں نے نہادھو کر کپڑے پہنے اور سب حضرات خانقاہ برکاتیہ تشریف لائے اور فقیر ہی کے مکان موسوم بہ مدرسہ پر جو درگاہِ معلیٰ برکاتیہ کے سامنے تھا اور اس وقت ٹوٹا پڑا ہے، اس میں فروکش ہوئے۔

فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق وبرادرِ مکرم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہما بھی ان دنوں

مارہرہ شریف ہی میں تشریف فرما تھے- اسی دن ظہر کے وقت مولانا بدایونی، مولانا نقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مرزا غلام قادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے- فقیر اور فقیر کے والد ماجد اور (نوری) میاں صاحب بھائی مرحوم بھی ہمراہ ہو گئے-

حضرت خاتم الاکابر نے پہلے مولانا نقی علی خاں صاحب پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب پھر مرزا غلام قادر بیگ صاحب کو داخلِ سلسلۂ عالیہ قا... برکاتیہ جدیدہ فرمایا-'' (ص:۵۹۸و۵۹۶، حیات اعلیٰ حضرت، مکتبہ نبویہ لاہور ۲۰۰۳ء)

اسی میں آگے ہے کہ حضرت خاتم الاکابر نے اسی جلسہ میں خلافت و اجازت بجملہ سلاسل و اسناد و تبرکات خاندان عالیہ قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا نقی علی بریلوی صاحب اور مولانا احمد رضا بریلوی صاحب کو مشرف فرمایا- چنانچہ اپنے قصیدہ در مدح حضرت محب رسول تاج الفحول بنام ''چراغ انس (۱۳۱۵ھ)'' میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں-

تیری نعمت کا شکر کیا کیجیے
تجھ سے کیا کیا ملا؟ محبِ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا
اس سے بڑھ کر ہے کیا؟ محبِ رسول
شیخ بھی کون ہے؟ حضرت آلِ رسول
خاتم الاولیا، محبِ رسول
اس کے در تک رسائی تجھ سے ملی
تو ہوا رہنما، محبِ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکرِ نعم
مجھ پہ لازم دعا، محبِ رسول
تجھ پہ ''فضلِ رسول'' کا سایہ
مجھ پہ سایہ ترا، محبِ رسول

ایک استفتا کے جواب میں مجدد مأۃ ماضیہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

''.....حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا مولوی عبد القادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف- پچیس برس تک اس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی- ان کی سی وسعتِ نظر و قوتِ حفظ و تحقیقِ انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی-'' (ص:۱۳۱، فتاوی رضویہ، جلد ۱۲- مطبوعہ لاہور و بمبئی)

- اور مذکورہ قصیدہ چراغ انس میں حضرت محب رسول تاج الفحول کے بارے میں امام احمد رضا عرض کرتے ہیں:

آج قائم ہے دینِ حق کی بنا
دم قدم سے ترے، محبِ رسول
ٹھیک معیارِ سنیت ہے آج
تیری حُب و ولا، محبِ رسول
سنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا
اب جو تجھ سے پھرا، محبِ رسول
مصطفیٰ کا ہوا، خدا کا ہوا
اب جو تیرا ہوا، محبِ رسول
رفض و تفضیل و نجدیت کا گلا
تیرے ہاتھوں کٹا، محبِ رسول

اپنے مشہور عربی قصیدہ ''آمال الابرار و آلام الاشرار'' میں ندوہ و فرقۂ وہابیہ کی تردید و ابطال کی مہم میں محب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی کی قیادت و سربراہی کا ذکر کرتے ہوئے امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی عرض کرتے ہیں:

وَقُدْوَۃُ جَمْعِھِمْ تاجُ الفُحولِ
اِمامُ الحقِ لیس لہُ ندیدُ
وما اَدراکَ ما تاجُ الفحولِ
بِفضلِ المجدِ فَضلُہُ المَجیدُ
وَتَوَّجَہُ بتاجِ الفضلِ حَقاً
رَسولُ اللّٰہِ لیس لہُ ضَدیدُ
جَوادٌ جَیِّدٌ جُودٌ مُجادُ
مُجِیدٌ مَاجِدٌ مَجْدٌ مُجِیدُ
وَذَا فضلُ الرسولِ لِمُھتدیہِ
فکیفَ ینالُہُ غاوٍ کَنُودُ

(ص: ۱۲۰، بساتین الغفران- جمع وتحقیق الاستاذ

حازم محمد احمد عبد الرحيم المحفوظ- كلية اللغات والترجمة-جامعه ازهر، قاهره-مكتبه قادريه لاهور ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

نیز تحریر فرماتے ہیں: ''چودہویں صدی کے علما میں باعتبار حمایت دین ونصرتِ سنت نیز باعتبار تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبد القادر بدایونی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا- ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے خطاب تجویز کیے...... اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو ''تاج الفحول'' سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں منقول ومقبول ہے اور بے شک وہ باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے-''

(ص:۳۶۶،فتاویٰ رضویہ،جلد ششم)

بدایوں اور بریلی دونوں کا سلسلۂ بیعت وارشاد قادری برکاتی ہے- دونوں کا پیر خانہ اور مرکزِ عقیدت خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ہے اور آج بھی ان دونوں مراکزِ علم وفضل کے علما ومشائخ اور ان کے جملہ وابستگان اپنے اسی مرکزِ عقیدت (مارہرہ مطہرہ) سے منسلک اور اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہورہے ہیں- گویا:

سلسلہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا
قدِ گیسو سے چلے، دار ورسن تک پہنچے

راہِ حق پر سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت ہی ہیں اور انہیں کی راہ صراطِ مستقیم ہے- جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تحریر گزر چکی ہے اور علامہ فضل رسول بدایونی اس کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ بات ظاہر ہے کہ ہر فرقہ آپ کو صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر جانتا ہے، مگر صرف ہر ایک کا جاننا اور کہنا کفایت نہیں کرتا اور اون کے فقط کہہ دینے سے ثابت نہیں ہوجاتا بلکہ حق وہ ہے کہ اللہ اور رسول کے کلام سے ثابت ہو- اس واسطے ہم رجوع کرتے ہیں خدا ورسول کے کلام کی طرف یہ بات دریافت کرنے کے لیے کہ سیدھی راہ اور صراطِ مستقیم کون سی ہے؟ سو قرآن شریف کی پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تعلیم فرمایا کہ سیدھی راہ کی ہدایت مانگیں اور یوں کہیں اهدنا الصراط المستقيم اور اسی جگہ صراطِ مستقیم کا بیان بھی فرمادیا کہ وہ راہ اون لوگوں کی ہے جن پر تونے انعام کیا ہے اور اسی جگہ ان لوگوں کا بھی فرمادیا کہ کون ہیں، یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا وصالحین-

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے بندے کو تعلیم فرمایا کہ سیدھی راہ کی ہدایت طلب کرے تو اون لوگوں کا ذکر کرنا لازم ہوا کہ جن کے واسطے سے سیدھی راہ بندوں کو پہنچی ہے اور اون کے اعمال کے دیکھنے اور اقوال کے سننے سے سیدھی راہ بندوں کو پہنچی ہے- اور ان کے اعمال کے دیکھنے اور اقوال کے سننے سے سیدھی راہ غیر سیدھی راہ سے جدا ہوجاتی ہے اور نہیں تو سب مختلف مذہب والوں میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ میں سیدھی راہ پر ہوں- سو ایک جماعت کو مقرر کیا چاہیے کہ سیدھی راہ کے بیان کرنے والے ہوں- اس واسطے سیدھی راہ کا بیان اس طرح تعلیم فرمایا صراط الذين انعمت عليهم یعنی اون لوگوں کی راہ کہ انعام کیا تونے اون پر- اس لفظِ قرآن مجید میں دوسری جگہ تفسیر فرمایا ہے کہ وہ چار فرقہ ہیں- انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین- سو معلوم ہوا کہ سیدھی راہ اون چار فرقوں کی ہے اور بندے کو چاہیے کہ اللہ سے مناجات کے وقت میں ان چار فرقوں کو اپنی نظر میں لحاظ کرے اور اون کی راہ طلب کرے-

جیسا قرآن مجید میں فرمایا ہے، سورہ نساء میں: ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا یعنی جو کوئی اطاعت خدا ورسول کی بجالاوے اور دونوں کے کہے پر عمل کرے سو راہ میں اون لوگوں کے ساتھ جاتا ہے کہ انعام کیا ہے اللہ نے اون پر اور وہ چار فرقے ہیں انبیا اور صدیقین اور شہدا وصالحین- یہ گروہ اچھے رفیق ہیں- پس اهدنا الصراط المستقيم میں راہِ حق کا ڈھونڈنا ہے اور صراط الذين انعمت عليهم میں رفیق کا طلب کرنا ہے کہ الرفيق ثم الطريق پہلے رفیق پھر راہ- (ص:۴و۵- سیف الجبار از علامہ فضل رسول بدایونی- مطبوعہ بدایوں، ۱۹۸۵ء)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا- (سورۃ النساء،۱۱۵)

یعنی اور چلے سب مسلمانوں کی راہ کے سوا ہم اس کو پھیریں گے جس طرف کو پھر گیا اور پہنچاویں گے اوس کو ہم دوزخ میں اور پہنچا بری جگہ-

مولوی عبد القادر نے ترجمہ میں اس آیت کا فائدہ یوں لکھا ہے

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں

کی جماعت پر۔ جس نے جدا راہ پکڑی وہ جا پڑا دوزخ میں"۔ پس جس بات پر امت کا اجماع ہو وہی اللہ کی مرضی ہے اور منکر ہو سو دوزخی ہے ....ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار یعنی سواد اعظم کی پیروی کرو کیوں کہ جو اکیلا ہوا اکثر وں کی متابعت سے وہ اکیلا دوزخ میں گرایا جاوے گا۔

شیخ عبد الحق علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ جس جانب میں اکثر علما ہوں اوس کی پیروی کرو۔

ترمذی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ید اللہ علی الجماعۃِ من شذ شذ فی النار یعنی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، جو جماعت سے اکیلا ہوا دوزخ میں پڑے گا اکیلا۔

ابوداؤد اور امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یأخذ الشاذۃ والقاصیۃ والناحیۃ۔ وایاکم والشعاب۔ وعلیکم بالجماعۃ والکافۃ یعنی شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسے بکری کا، کہ پکڑ لیتا ہے جس کو کہ اپنے بھائیوں سے نفرت اور بے انسی کے سبب اکیلے رہے اور جس کو کہ گلے سے اکیلی چلی جاوے اور جس کو کہ اکیلی رہ جاوے اپنی جماعت سے۔ گھاٹیوں میں مت جاؤ اور جماعت کو لازم پکڑو۔

شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "مقصود یہ ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو۔" شیخ عبد الحق علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: "مقصود یہ ہے کہ جماعت سے باہر نہ ہو اور اکثر عالم جس طرف ہوں اوس کی پیروی کرو۔"

فائدہ: یہ بات قرآن وحدیث سے خوب ثابت ہوگئی کہ راہِ حق اور صراطِ مستقیم راہ انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین کی ہے موافق جماعت اور سوادِ اعظم کے۔ جو جماعت اور سوادِ اعظم کے خلاف ہو وہ دوزخی ہے۔"

(ص: ۷/ تا ص: ۹ رسیف الجبار۔ مطبوعہ ادارہ مظہر حق بدایوں ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)

"......وہ جو فرقہ ناجیہ جمہور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور اون کے اتباع کا ہے کہ جن کو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب سے اب تک اوسی صراطِ مستقیم پر ہیں اور جماعت اور سوادِ اعظم امت وہی ہیں اور ہر وقت میں اکثر اطراف میں اظہار حق اور مددگاری دین کی اونہیں سے ہوتی رہی اور سب بدمذہبوں کو تادیب اور تنبیہ لسانی اور سنانی کرتے رہے اور بموجب وعدۂ الٰہی کے الا ان حزب اللہ ھم الغالبون غلبۂ عام اوسی فرقہ کو رہا۔

اور وہ سوادِ اعظم عقائد میں اشعری، ماتریدی اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں، جو اون کے سوا ہے وہ جماعت سے خارج اور سواد اعظم کا تارک اور دین کا مارق ہے اور جماعت کا تارک اور سوادِ اعظم کے مخالف جو فرقے اب تک ہوئے اور اون کے ردو اِبطال اور دفع وزوال میں جو جو کہ پیش آیا اوس کا ذکر کرنا بسبب شہرت کے ضرور نہیں ہے۔"

(ص: ۹/ تا ۱۰ ارسیف الجبار۔ مطبوعہ بدایوں، مؤلفہ علامہ فضلِ رسول بدایونی)

شاہ اسمٰعیل نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ جن وہابی افکار وخیالات کا اظہار کیا، ان سے کئی ایمان سوز فتنوں نے جنم لیا۔ مثلاً (۱) امکانِ کذبِ باری تعالیٰ (۲) امکان نظیر محمدی (۳) تقلیدِ فقہی سے آزادی (۴) تصوف سے بیزاری (۵) اسلاف واکابر وعلما کی شان میں بے ادبی وگستاخی۔ انہی فتنوں نے بعد میں منظم ہو کر دیوبندیت وغیر مقلدیت کی شکل اختیار کرلی۔ پھر تحذیر الناس مؤلفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی میں درج شدہ امکان نظیر محمدی کا سہارا لے کر قادیانی فرقہ وجود میں آیا۔

مطبع صدیقی بریلی کے مالک اور شعبۂ عربی وفارسی بریلی کالج کے صدر مولانا محمد احسن نانوتوی (متوفی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) نے قیام بریلی کے زمانہ (۱۸۵۱ء تا ۱۸۷۷ء) میں جب اپنے اس مسلک و موقف کا اظہار کیا کہ مختلف طبقاتِ ارض میں بھی انبیائے کرام مثل آدم ونوح ومحمد علیہم الصلوٰۃ والسلام موجود ہیں اور اس کی بنیاد اثر ابن عباس کو بنایا تو حضرت مولانا نقی علی بریلوی نے اس کا زبردست تعاقب کیا کہ یہ عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا عبد القادر بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) اور محمد احسن نانوتوی کے ہم خیال امیر احمد سہسوانی (متوفی ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) شاگرد سید نذیر حسین دہلوی (متولد ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء۔ متوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کے درمیان شیخو پور ضلع بدایوں میں ایک مناظرہ بھی ہوا۔ شش مثل اور امکان نظیر محمدی کو حضرت مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری (متوفی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) نے خلاف عقیدۂ اہل سنت ہونے کا فتویٰ دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

خاتم النبیین ہونے اور مسلک نانوتوی کے فاسد ہونے کے سلسلے میں مولانا نور النبی رام پوری کے ایک فتوی کی تصدیق مولانا سید بدر الدین خاں خلف مولانا رشید الدین خاں، مفتی ولی النبی رام پوری، سید حسین شاہ محدث رام پوری، مولانا حیدر علی رام پوری، مولانا عبد العلی رام پوری، مولانا عبد الحق خیرآبادی وغیرہم نے کی۔ مولانا احسن نانوتوی کی تائید ہی میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا۔ جب کہ شیخ محمد تھانوی نے مسلک نانوتوی کے رد میں ''القسطاس فی موازنہ اثر ابن عباس'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ مزید دیگر رسائل بھی اس طرح کے لکھے گئے۔

پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی) لکھتے ہیں:

''اثر ابن عباس کے مسئلہ میں علمائے بریلی و بدایوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کی شد و مد سے مخالفت کی۔ بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولانا نقی علی خاں کر رہے تھے اور بدایوں میں مولانا عبد القادر سرخیل جماعت تھے۔ یہی بریلوی اور دیوبندی اختلاف کا نقطۂ آغاز تھا جو بعد کو ایک بڑی وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گیا۔ (دیکھیے ص ۹۴۔ سوانح مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی از پروفیسر محمد ایوب قادری)

تحذیر الناس کے اندر مولانا محمد قاسم نانوتوی نے لکھا:

''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔'' (ص: ۳۴، تحذیر الناس از مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

تحذیر الناس از مولانا محمد قاسم نانوتوی و حفظ الایمان از مولانا اشرف علی تھانوی و براہین قاطعہ از مولانا خلیل احمد انبیٹھوی و دیگر عبارات کتب علمائے دیوبند جو سنی و دیوبندی اختلاف کی بنیاد ہیں وہ یک جا طور پر ''دعوتِ فکر'' از مولانا محمد منشا تابش قصوری مطبوعہ لاہور و دہلی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح رہے کہ متحدہ ہندوستان کے اندر سنی وہابی اختلاف کا نقطۂ آغاز تقویۃ الایمان و دیگر کتب و رسائل شاہ محمد اسمعیل دہلوی ہیں۔

شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ کی یہ شدید گستاخی دیکھی نہ گئی تو حضرت امام احمد رضا بریلوی نے قلم اٹھایا اور اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت کے دفاع میں اپنی پوری زندگی داؤ پر لگا دی اور گستاخانِ بارگاہِ رسول مقبول پر ایسا حملہ کیا کہ عرب و عجم میں اس کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ آج بھی یہ عالم ہے کہ عشاقِ رسول ان کا نام سنتے ہیں تو ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھتے ہیں اور گستاخانِ رسول کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی نے نصوص قطعیہ کے منکر ملحدوں اور کفریات کا التزام کرنے والے گستاخ وہابیوں کے خلاف شرعی فیصلہ صادر فرما کر حتی المقدور ان کا قلع قمع کیا۔

فرقِ باطلہ کی تردید و ابطال اور ان کے خلاف سخت شرعی حکم لگانے میں آپ منفرد نہیں بلکہ ''المعتمد المستند علی المعتقد المنتقد (۱۳۰۲ھ) کی ساری تفصیلات جمع کر کے اپنے مذکورہ شرعی فیصلہ کے ساتھ آپ نے انھیں علمائے حرمین طیبین کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ پچاسوں مشاہیر علمائے اسلام نے اس کی تصدیق کی اور اپنے دستخط و مہر سے اسے نوازا جسے حسام الحرمین علی منحر الکفر و المبین (۱۳۲۴ھ) کے نام سے غالباً ۱۳۲۵ھ میں بریلی سے طبع کیا گیا۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل و تحقیق کے لیے یہ کتاب ملاحظہ فرمائیں: ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی، مطبوعہ پاک و ہند۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں پشاور سے بنگال تک کے دو سو اڑسٹھ علمائے اہل سنت و مشائخ کرام نے اپنی مبارک تصدیقات سے اس کی تائید و توثیق کی اور اس کا مجموعہ ''الصوارم الہندیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ساری تفصیلات سیکڑوں کتب و رسائل میں مذکور ہیں۔

علمائے اہل سنت کی کوششوں بالخصوص قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی کی عملی جد و جہد اور مالی تعاون کی بدولت مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے زیر اہتمام رجب ۱۳۱۸ھ/نومبر ۱۹۰۰ء میں مفاسد ندوہ کے خلاف ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے سرپرست حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی سجادہ نشین خانقاہِ معظم بہار شریف (وصال ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۲ء) تھے۔ ندوہ کے خلاف منعقد ہونے والی اس نمائندہ کانفرنس میں شمالی ہند کے مشاہیر علما و مشائخ اہل سنت بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

پٹنہ کی اس اہل سنت کانفرنس بنام ''اجلاسِ اصلاح ندوہ'' میں

شریک وسرگرم سیکڑوں علما و مشائخ اہل سنت میں سے چند حضرات کے نام ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔ اس کانفرنس اور ندوہ مخالف تحریک میں سب سے اہم کردار حضرت مولانا عبد القادر بدایونی، حضرت مولانا احمد رضا بریلوی، حضرت مولانا سید عبد الصمد مودودی چشتی سہسوانی اور ان حضرات کے خصوصی عقیدت مند قاضی عبد الوحید عظیم آبادی نیز حاجی لعل خاں مداری کا ہے۔ دیگر چند حضرات یہ ہیں:

• حضرت سید شاہ اسمٰعیل حسن برکاتی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف، حضرت سید شاہ فقیر عالم قادری برکاتی مارہروی، مولانا عبد المقتدر بدایونی، مولانا سید شاہ محمد اجمل الٰہ آبادی، مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی، مولانا سید بشیر احمد اجملی الٰہ آبادی، مولانا عبد الکافی الٰہ آبادی، مولانا اعجاز حسین رام پوری برادر حقیقی مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری۔ تلامذۂ مفتی ارشاد حسین مجددی مولانا عبد الغفار رام پوری، مولانا ظہور الحسن رام پوری و مولانا امانت اللہ رام پوری۔ مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا امیر احمد بریلوی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی۔ مولانا عبد السلام جبل پوری، مولانا بشیر الدین جبل پوری، مولانا حکیم مومن سجاد کان پوری، مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری، مولانا سید محمد اعظم شاہجہان پوری۔ مولانا سید ابو البقا سکندر پوری، مفتی محمد رمضان اکبر آبادی، مولانا خلیل الرحمٰن خلیفہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا عبد اللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبد الحی فرنگی محلی۔ مولانا احمد علی مرزا وغیرہم۔

علما و مشاہیر بہار میں یہ حضرات تھے: شاہ محی الدین خلف مولانا شاہ بدر الدین خانقاہ پھلواری شریف، سید سلیمان اشرف بہاری، شاہ محمد سعید بہار شریف، قاضی عبد الحمید فردوسی، سید شاہ عزیز الدین ابو العلائی سجادہ نشین حضرت منعم پاک، سید شاہ شہود الحق اصدقی سجادہ نشین خانقاہ اصدقیہ پیر بیگھہ، سید شاہ عبد القادر خانقاہ اسلام پور، شاہ محمد حسین قادری فضل رحمانی، سید شاہ وحید الحق، سید شاہ غلام شرف الدین، خواجہ شاہ اسجد حسین فرحاوی، مولانا کریم رضا بیتھوی تلمیذ مولانا عبد الحق خیر آبادی، سید فضل حسین فردوسی، مولانا بشارت کریم گیلوی، منشی فصیح احمد رئیس پٹنہ وغیرہم۔

اس ندوۃ العلماء کے مفاسد اور اس کے مضر اثرات سے آگاہ کرنے کے لیے حضرت امام احمد رضا بریلوی نے پچاسوں کتب و رسائل تحریر فرمائے اور پوری قوت کے ساتھ اس کی بے راہ روی وگمراہی کا پردہ چاک کیا، جس کا زبردست فائدہ یہ مرتب ہوا کہ وہ علمائے کرام جو اس کی نمائشی خوبصورت تجویزوں کے ابتدا میں شکار ہو گئے تھے مثلاً استاذ العلما حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ سبھی حضرات اس سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح وہ مشائخ عظام جنہیں اپنی چالوں سے ندوہ کا رکن بنا لیا گیا تھا۔ جیسے حضرت صوفی شاہ محمد حسین چشتی الٰہ آبادی، حضرت شاہ بدر الدین سجادہ نشین پھلواری شریف، حضرت شاہ التفات احمد سجادہ نشین ردولی شریف، حضرت شاہ امین فردوسی سجادہ نشین خانقاہ معظم بہار شریف وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات نے مفاسد ندوہ پر مطلع ہونے کے بعد اس کی اعزازی رکنیت سے فوراً علیحدگی اختیار کر لی۔

بہت سے علمائے کرام نے کھل کر پورے جوش وخروش کے ساتھ ندوہ کے خلاف ندوہ مخالف تحریک میں زبردست حصہ لیا۔ جن میں حضرت مولانا قاضی عبد الوحید رئیس عظیم پٹنہ، استاذ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی، حضرت مولانا عبد القیوم شہید بدایونی، حضرت مولانا شاہ عبد الصمد چشتی سہسوانی، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا شاہ ہدایت رسول رام پوری ثم لکھنوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ محب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی وحضرت مولانا احمد رضا بریلوی اور حضرت خواجہ سید عبد الصمد چشتی سہسوانی کی مساعیِ جمیلہ سے تحریکِ ندوہ کا سیلاب جلد ہی تھم گیا اور اس کا جوش وجذبہ ماند پڑ گیا۔

ندوہ کے تعاقب کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدراس، حیدر آباد، بنگلور، بمبئی، کلکتہ، دہلی، لکھنؤ، کانپور، جبل پور، کاندھلہ، بہرائچ، پیلی بھیت، مارہرہ مقدسہ، کچھوچھہ شریف، شاہجہان پور، رام پور، مراد آباد، ردولی شریف، الٰہ آباد، بدایوں، گلشن آباد، ناسک، احمد آباد، گجرات، علی گڑھ، صاحب گنج، عظیم آباد، بہار شریف، پھلواری شریف وغیرہا کے علما و مشائخ نے ندوہ کے خلاف ترتیب دادہ "فتاوی السنۃ" کو اپنے دستخط ومواہیر سے مزین فرمایا اور اسے فاسد العقیدہ والعمل قرار دیا۔

اور کانفرنس کی صورت میں لکھنؤ، بریلی، پٹنہ وغیرہ سے ہوتا ہوا یہ

فتنہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۲ء میں مدراس پہنچا اس کے بعد ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا- اجلاسِ ندوہ کا سلسلہ یکلخت موقوف کر کے ارباب ندوہ نے لکھنؤ میں ایک دارالعلوم قائم کیا اور اس کے فروغ و استحکام میں لگ گئے- جو دارالعلوم ندوۃ العلما کے نام سے موسوم و مشہور ہوا- ندوہ کی تحریک ختم ہو گئی اور یہ دارالعلوم ہی اس کا سرمایہ ثابت ہوا-

سادات و مشائخ مارہرہ مطہرہ کی روحانی وراثت اور حضرت سیف اللہ المسلول و حضرت تاج الفحول کی دینی و علمی خدمت کو باقی و قائم رکھنے اور علمی قوت و استدلال کے ساتھ آگے بڑھانے میں امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے جو نمایاں کردار ادا کیا ان سب کا ذکر کرتے ہوئے شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی مارہروی تحریر فرماتے ہیں:

''امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو بیعت و خلافت حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ سے تھی- آپ خانوادۂ برکاتیہ کے بڑے چہیتے خلفاء میں سے ہیں- بیعت و خلافت کے بعد خاتم الاکابر نے آپ کے تعلق سے فرمایا ''کل قیامت کے روز رب تبارک تعالیٰ پوچھے گا کہ آلِ رسول دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو مولوی احمد رضا کو پیش کر دوں گا-

حضرت فاضل بریلوی نے اہل سنت و جماعت کے احیا کے لیے بے مثل و بے نظیر کام کیا- ساری زندگی عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں گزاری- ۵۰ سے زائد علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی- ۱۰۰۰ ہزار سے زیادہ مختلف علوم و فنون پر کتب و رسائل تصنیف فرمائے- اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت سے مالا مال فرمایا اور اپنے پیر خانہ سے وہ محبت عطا فرمائی کہ جس کی نظیر فی زمانہ مشکل سے ملتی ہے- نعت کے میدان میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بڑے بڑوں سے اپنے فن کا لوہا منوایا- آپ کا دیوان ''حدائق بخشش'' آج بھی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دل و قلب و روح کو منور کر رہا ہے-

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو جتنی محبت اپنے پیر و مرشد سے تھی، اتنی ہی عقیدت و محبت اپنے پیرزادہ سرکار نور قدس سرہ سے تھی- اعلیٰ حضرت حضور نوری میاں صاحب قدس سرہ کی تعظیم و عقیدت مثل پیر فرمایا کرتے تھے- آپ نے دو قصیدے حضور میاں صاحب کی شان میں لکھے ہیں:

سرکار نور بھی اعلیٰ حضرت سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے اور یہ اسی محبت کا حصہ تھا جو حضرت میاں صاحب قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ''چشم و چراغ خاندانِ برکات'' کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا اور اس سلسلہ میں سرکار میاں صاحب نے امام اہل سنت کو کرم نامہ ارسال فرمایا- فقیر برکاتی اس کی نقل پیش کرتا ہے:

چشم و چراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرہم وعلمہم-

از ابوالحسین، بعد دعاء فقیر و مقبولیت محررہ القاب سطر بالا-

واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دیا تھا باوجودیکہ میں لائق اس کے نہ تھا تحریر فرمایا کرتے تھے، چونکہ اب میں بظاہر اسباب، انواع انواع امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہو گیا ہوں.....ع

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

اور مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالیشان کا خلفاء میں کوئی نہ رہا- لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا- بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا- اور میں نے بطیب خاطر بلا جبر و اکراہ بہ رغبت قلب یہ آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا- یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے- فقط، ابوالحسین- از: مارہرہ

اس خطاب کے ساتھ ساتھ حضرت میاں صاحب قدس سرہ نے امام اہل سنت کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا-

آپ کو خلافت و اجازت حضور میاں صاحب نے باقاعدہ سلوک کی تکمیل کے بعد عطا فرمائی-''

(ص: ۵۸ تا ۶۰/ داستان نور، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مذکورہ مکتوب نوری، حیات اعلیٰ حضرت مطبوعہ لاہور میں بھی ہے اور اس میں دستخط کے ساتھ تاریخ ۲۲/ محرم ۱۳۲۰ھ/ درج ہے اور مکتوب سے پہلے حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

''حضرت اقدس سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ قدس سرہ کو جو خصوصیت اعلیٰ حضرت قبلہ سے تھی محتاج بیان نہیں- ہمیشہ جملہ مسائل و عقائد میں اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی اور حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب عثمانی بدایونی قدس سرہ العزیز سے مشورہ فرماتے اور جو جو مدائح فرماتے ہر بار باب محبت پر واضح

ہیں-ایک صحیفہ شریفہ میں اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا: ''مولوی صاحب! خدا کی قسم میں حضرت شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سے بہتر جانتا ہوں'' اکثر دعا فرماتے تھے: ''الٰہی میری عمر میں سے اعلیٰ حضرت کو عمر عطا فرما''-۱۳۲۳ھ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرمین طیبین حاضر ہوئے، اکثر دعا فرماتے ''الٰہی مجھے موت نہ آئے جب تک مولانا احمد رضا خاں صاحب کو بالخیر واپس آیا نہ دیکھ لوں-''

(ص:۶-۱۰۰، حیات اعلیٰ حضرت مکمل-مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور، ۲۰۰۳ء)

جماعتِ اہل سنت کے پاس دفینے اور خزینے کی کمی نہیں اور یہ دفائن وخزائن صرف آنکھوں کو خیرہ کرنے والے نہیں بلکہ انہیں پُر نور بنانے والے اور قلوب کو دولت ایمان وایقان واذعان سے بہرہ ور کرنے والے ہیں-ضرورت ہے کہ انہیں تلاش وجستجو کر کے نکالا جائے اور اہل ایمان واسلام کا دامن ان کے جواہر پاروں سے مالامال کر دیا جائے-یہ خزانے ملک کے طول وعرض میں بکھرے ہوئے ہیں-انہیں ڈھونڈھ کر سلیقہ کے ساتھ سمیٹنے اور حسنِ ترتیب کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے-یہ ہمارا ملی وجماعتی اور اجتماعی فریضہ ہے جس سے غفلت کوشی اپنے بزرگوں کے ساتھ احسان فراموشی سے کم جرم نہیں اور ایسے ہی کسی موقع پر اپنے احساسات وجذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت بر قرار

چشم وچراغ خانوادۂ عثمانیہ بدایوں صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی مرتب ''مجموعۂ رسائل فضل رسول'' ہماری پوری جماعت اہلِ سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے آباواجداد اور جماعت اہل سنت کے اکابر واسلاف کی کتب ورسائل کو بڑی محنت وعرق ریزی اور تحقیق وتخریج وتحشیہ وترجمہ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے ذریعہ منظر عام پر لا رہے ہیں-

عزیز موصوف علم وحلم، فکر وفہم اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے اپنے آباواجداد کے وارث وامین اور سچے جانشین ہیں-انھیں جو کام کرنا چاہیے اسے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں-ان کے عزائم اور حوصلوں کی داد دی جانی چاہیے کہ وہ اس وقت خیر الخلف لخیر السلف ہیں-

اہل سنت کے اجتماعی مفاد کا تقاضا ہے کہ سنی مدارس ومراکز اور خانقاہوں کے درمیان ارتباطِ باہمی ہو-فکری وحدت انھیں ہر لمحہ عملی یگانگت کی دعوت دے رہی ہے-بالخصوص بدایوں اور بریلی کا ماضی انھیں حال کی دعوت دے رہا ہے-مارہرہ مطہرہ جس طرح پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس وقت ملت وجماعت کی اجتماعی خدمت کے لیے کوشاں ہے اس کا ہر جگہ استقبال ہی نہیں بلکہ اسی کی روش ہر جگہ اپنانی چاہیے اور اس کے زیر سایہ جہاں جہاں ممکن ہو سکے پیش قدمی کی جانی چاہیے-

جذبۂ عشق رسول ونسبتِ قادریت جو بدایوں اور بریلی کے درمیان قدرِ مشترک ہے-اس نعمت پر بدایوں اور بریلی کو ناز کرنا چاہیے کہ اس متاعِ بے بہا کے سامنے دنیا کی ہر چیز ہیچ ہے-انھیں اسی سے وابستہ رہ کر اپنے مرکزِ عقیدت مارہرہ مطہرہ کے زیر سایہ مقدس وبغدادِ معلیٰ کی نورانی فضاؤں سے ہوتے ہوئے اس حجاز مقدس کے تصور میں اپنے وجود کو سرشار رکھنا چاہیے جس پر کونین کی عظمتیں اور رفعتیں نثار ہیں--جس کی روحانی فضاؤں میں ہر درد کا علاج اور ہر مداوا ہے اور جس کی نسیم سحر سے ہر سعید وصالح انسانی وجود طاہر ومطہر معطر ومعنبر ہو جاتا ہے

بدایوں اور بریلی کے درمیان مکمل وحدتِ فکر وموقف کے باوجود وحدتِ عمل اور ارتباطِ باہمی کا فقدان اور ایک دوسرے سے بے نیازی سوادِ اعظم اہل سنت کے لیے باعث تشویش اور جماعتی مفادات کے لیے مُضر ہے، اس لیے انھیں خوش گوار تعلقاتِ باہمی کے اس نقطہ اتحاد کی طرف پیش قدمی کرنی ضروری ہے، جس کا روح پرور محبتِ رسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی اور فقیہ اسلام امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی علیہما الرحمۃ والرضوان کے دور میں چشم فلک نے بار بار دیکھا ہے آفتاب وماہتاب افقِ ہند کے دینی وعلمی ماحول کو روشن ومنور کرتے تھے-میخانۂ بدایوں وبریلی سے اہل سنت کی پیاس بجھ رہی تھی اور روح سیراب ہو رہی تھی-

خدا کرے وہ دن آئے اور جلد تر آئے جب سادات مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی میں علمائے بدایوں اور بریلی وحدتِ فکر وعمل کے ساتھ مذہب ومسلکِ اہل سنت کے تحفظ وبقا اور فروغ واستحکام کی راہ میں دوش بدوش بیٹھے ہوئے اور شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے اپنے مرکزِ عشق وایمان مدینہ امینہ کی طرف محو پرواز ہوں-□□□

ڈاکٹر محمد قمر تبریز صدیقی ☆

پاک-امریکہ اسٹریٹیجک مذاکرات: کتنے کامیاب کتنے ناکام؟

پاکستان اور امریکہ بڑے زور وشور سے واشنگٹن میں ہونے والے اسٹریٹیجک مذاکرات کی تیاریوں میں مصروف نظر آئے، جس کا آغاز 24 مارچ کو ہوا- دونوں ممالک کے درمیان وزارتی سطح پر ہونے والی اپنی نوعیت کی یہ پہلی بات چیت ہے جس میں پاکستانی فوج کے سربراہ، اشفاق پرویز کیانی، انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کے سربراہ احمد شجاع پاشا اور خود پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی شرکت کر رہے ہیں- دوسری جانب امریکی وفد کی قیادت وہاں کی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن کر رہی ہیں- پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے ان مذاکرات کی فضا ہموار کرنے کے لیے جہاں ایک طرف بڑی شدت سے امریکہ کے گوش گزار کرنے کی کوشش کی تھی کہ اب پاکستان دہشت گردوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ نہیں رہ گیا ہے وہیں دوسری جانب اسٹریٹیجک مذاکرات کے بعد امریکی وزیر خارجہ کے ساتھ واشنگٹن میں ہونے والی ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے بعد نامہ نگاروں کو پورے وثوق سے یہ بھی بتایا کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اسلام آباد کے تئیں امریکہ کی سوچ میں تبدیلی آئی ہے اور اب اوباما انتظامیہ اپنی ہی سرزمین پر انتہاپسندوں کے خلاف پاکستان کی کارروائی کو لے کر کسی مزید شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہے، بلکہ امریکہ نے دہشت گردی مخالف جنگ میں پاکستان کے مثبت رول کی پذیرائی بھی کی ہے-

لیکن ان مذاکرات کو لے کر پاکستان کی سب سے زیادہ امید یہ تھی کہ وہ واشنگٹن کو اس بات کے لیے راضی کرنے میں ضرور کامیاب ہوگا کہ وہ پاکستان کے ساتھ بھی ویسا ہی سول نیوکلیئر معاہدہ کرے جیسا کہ اس نے کچھ سال پہلے ہندوستان کے ساتھ کیا تھا- پاکستان کے تمام قائدین نے اس کے لیے اپنی پوری قوت جھونک دی، لیکن نتیجہ ناکامی کی شکل میں سامنے آیا- امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے شروع میں تو اس بات کا اشارہ ضرور دیا تھا کہ ان کا ملک پاکستان کے جوہری ڈیل سے متعلق مطالبہ پر غور کرے گا، لیکن بعد میں انھوں نے پاکستان کے نیوکلیئر ڈیل کے مطالبہ کو نظر انداز کر دیا اور اس کے بدلے پاکستان کو پاور سیکٹر کی تعمیر وترقی کے لیے ۱۲۵ ملین ڈالر کی پیش کش کا اعلان کر دیا تاکہ پاکستان اپنے ملک میں بجلی کے شدید بحران پر قابو پا سکے-

جوہری ٹکنالوجی کے استعمال کو لے کر پاکستان کا رول اب بھی واضح نہیں ہے اور خود پاکستان کے جوہری سائنس داں عبدالقدیر خان پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے غیر قانونی طریقے سے اس سلسلے میں چند اہم معلومات کئی ممالک کو فراہم کیے تھے- ایسے میں بھلا پاکستان پر یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ وہ امریکہ سے حاصل ہونے والی جوہری ٹکنالوجی کا استعمال انتہاپسندانہ کارروائیوں میں استعمال نہیں کرے گا- یہی وجہ ہے کہ بہت سے ملکوں نے پاکستان کے ساتھ اس قسم کے کسی بھی نیوکلیئر ڈیل کی ہمیشہ مخالفت کی ہے- خود امریکہ بھی بار بار اپنے اس شک کو دہراتا رہا ہے کہ پاکستان کے جوہری اسلحے انتہاپسندوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں- ظاہر ہے کہ اس محاذ پر پاکستان کو موجودہ مذاکرات میں ناکامی ملنی ہی تھی- چین کے ایک تجزیہ نگار نے بھی حال ہی میں ممکنہ پاک-امریکہ نیوکلیئر ڈیل پر اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا- چائنا انسٹی ٹیوٹس آف کنٹیمپ پریری انٹرنیشنل ریلیشنز کے ساوتھ ایشیا اسٹڈیز کے ایک اسکالر، ہوشیشنگ کے مطابق، اگر امریکہ پاکستان کے ساتھ نیوکلیئر ڈیل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو اس سے جنوبی ایشیا کی سیکورٹی مزید پیچیدہ ہو جائے گی- انھوں نے ۲۴ مارچ کو پاک-امریکہ اسٹریٹیجک مذاکرات شروع ہونے سے پہلے ہی چین کے ایک مشہور انگریزی اخبار 'چائنا ڈیلی' میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ دونوں فریقین کے درمیان نیوکلیئر ڈیل کو لے کر کوئی اہم پیش رفت ہونے کی امید نہیں ہے- اس ڈیل سے امریکہ اور ہندوستان کے درمیان رشتے تلخ ہو جائیں گے، جس کے نتیجے میں ہندوستان روس سے مزید تعاون حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو جائے گا-

اس موقع پر پاکستان نے ایک بار پھر امریکہ سے کشمیر مسئلہ کو لے کر ہند-پاک مذاکرات میں ثالثی کا کردار ادا کرنے کی اپیل کی تھی جسے واشنگٹن نے سرے سے انکار کر دیا- امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے

☆ qamartabrez@gmail.com

دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ "ہم پاکستان کی خارجہ پالیسی یا ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے لیے فرمان جاری نہیں کر سکتے، البتہ ہم دونوں ممالک کے درمیان ہونے والی بات چیت کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔"

یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ گزشتہ ماہ جب ہندوستان کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ ڈاکٹر ششی تھرور نے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کے ساتھ اپنے سعودی عرب کے دورے کے دوران سعودی حکام سے گزارش تھی کہ وہ پاکستان کے ساتھ اپنی قریبی اور دوستانہ تعلقات کا استعمال کرتے ہوئے پاکستان کو اس بات کے لیے آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ انتہا پسندوں کی جانب سے ہند مخالف کارروائیاں بند کرانے کے لیے اقدام کرے، تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستانی میڈیا نے اسے ہندوستان کی شکست سے تعبیر کیا تھا اور کہا تھا کہ ڈاکٹر منموہن سنگھ کا سعودی دورہ پوری طرح ناکام رہا ہے، وہ بھی صرف اس لیے کہ شاہ عبداللہ نے ہند-پاک مذاکرات میں ثالثی کا کردار ادا کرنے کی ہندوستان کی اپیل کو ٹھکرا دیا تھا- جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ ہند-پاک باہمی بات چیت میں کسی تیسرے فریق کو شامل نہیں کیا جا سکتا- تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ پاکستان نے روس، چین، برطانیہ اور امریکہ جیسے بڑے ممالک کو ہمیشہ ہند-پاک باہمی مذاکرات میں ثالث بنانے کی کوشش کی ہے، لیکن نہ تو یہ کبھی ہندوستان کے لیے قابل قبول رہا اور نہ ہی ان ممالک نے پاکستان کی اس اپیل کو کوئی خاص توجہ دی ہے- اس لیے پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس مسئلے کا حل خود تلاش کرے-

جہاں تک افغانستان کا تعلق ہے تو گزشتہ چند سالوں سے پاکستان بار بار ہندوستان پر الزام لگاتا رہا ہے کہ وہ افغانستان میں موجود اپنے قونصل خانوں کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردانہ حملے کروا رہا ہے اور خاص کر بلوچستان میں شر پسندی کو ہوا دے رہا ہے- پاکستان نے امریکہ کے ساتھ ہونے والی اس اسٹریٹجک بات چیت کے دوران بھی اس معاملے کو اٹھایا- ۲۵ مارچ کو پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی سے ایک خطاب کے دوران کہا کہ اسلام آباد نے افغانستان میں ہندوستان کی 'دراندازی' کے ایشو کو امریکہ کے سامنے اٹھایا ہے- گیلانی نے یہ بھی کہا کہ افغانستان میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی موجودگی پر انھوں نے امریکہ کے قومی سلامتی صلاح کار جنرل جیمس جونز کے ساتھ ایک تفصیلی گفتگو کی تھی-

واضح رہے کہ پاکستانی ایجنسیاں بھی یہ کہتی رہی ہیں کہ ہندوستان کا ریسرچ اینڈ اینالیسس ونگ (را) افغانستان میں واقع ہندوستانی قونصل خانوں کے ذریعے پورے ملک میں دہشت گردانہ حملے کروا رہا ہے- حال ہی میں پاکستانی انٹیلی جنس کے اہل کاروں نے دعویٰ کیا تھا کہ انھوں نے لاہور سیریل دھماکوں کے ماسٹر مائنڈ کو گرفتار کر لیا ہے، جس نے بعد میں بقول ان کے پوچھ گچھ کے دوران بتایا تھا کہ ان حملوں کی سازش دو ماہ پہلے افغانستان میں واقع ایک ہندوستانی قونصل خانہ میں کی گئی تھی- پاکستانی ایجنسیوں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے دسمبر میں کابل کا دورہ کیا تھا اور مزمل سے ملاقات کی تھی، جو ۲۰۰۹ میں راولپنڈی میں جنرل ہیڈ کوارٹرس (جی ایچ کیو) پر حملہ کرنے کے بعد بلوچستان ہوتے ہوئے افغانستان بھاگ گیا تھا-

امن کی راہ میں اس طرح کے الزامات دونوں ملکوں کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں- ابھی حال ہی میں افغانستان میں اقوام متحدہ کے سابق ایلچی، کائی ایدی کا یہ چونکا دینے والا بیان آیا ہے کہ پاکستان نے افغان طالبان کے چند سرکردہ لیڈروں کو گرفتار کر کے درحقیقت اقوام متحدہ اور طالبان کے چند اعلیٰ لیڈروں کے ساتھ ہونے والی خفیہ بات چیت کے سلسلے کو روک دیا ہے- ملا عمر کے بعد افغان طالبان کے دوسرے سرکردہ لیڈر سمجھے جانے والے، ملا عبدالغنی برادر کی گرفتاری کا مقصد، بقول کائی ایدی، پاکستان کے ذریعے افغان طالبان کے ساتھ مصالحت کی تمام کوششوں کو ناکام بنانا ہے- بی بی سی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کائی ایدی نے یہ تسلیم کیا تھا کہ اقوام متحدہ خطہ میں استحکام پیدا کرنے کے لیے طالبان لیڈروں کے ساتھ دو بدو بات چیت میں مصروف تھا- خفیہ بات چیت کا سلسلہ گزشتہ ایک سال سے جاری تھا اور حال میں بات چیت کے کئی دور ہوئے تھے- لیکن پاکستان کے ذریعے افغان طالبان کے ان لیڈروں کی گرفتاری ہمارے مصالحتی عمل پر منفی اثر ڈال رہی ہے جسے ہم نے ضروری سمجھا تھا- پاکستانیوں نے وہ رول ادا نہیں کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا-

بقیہ صفحہ 29 پر ملاحظہ کریں

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی☆

فیض العارفین مولانا غلام آسی پیا

دوسری اور آخری قسط

مے نمی نوشی مگر ہم رنگ مستاں زیستی!

عصر حاضر کے نامور ادیب وشاعر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کے قلم سے مشاہیر اہل سنت کی یادوں کا سلسلہ

اوائل 1982 کی بات ہے حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے جب دہلی کو دینی تعلیمی مرکز بنانے کا پلان کیا تو اس کے لیے سب سے موزوں اور متبرک جگہ دیار محبوب الٰہی نظر آئی- پیر سید ضامن علی نظامی سجادہ نشین سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے-آپ نے ان سے ملاقات کرکے اپنے منصوبہ سے انہیں مطلع کیا اور سردست اس کار اہم کے آغاز کے لیے ایک مسجد کی نشاندہی فرمائی جو نظامی صاحب کی تولیت میں تھی-نظامی صاحب نے مجوزہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کا نام سنتے ہی مبارک باد پیش کی اور ہر طرح کے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ جس مسجد کی نشاندہی کی گئی ہے، آپ یہاں سے کام کا آغاز کیجیے، اب ضرورت ہوئی کہ ایک مدرس اور چند طلبہ کا فوری طور پر انتظام کیا جائے- یہ دشوار مرحلہ یوں سر ہوا کہ رئیس القلم نے اپنے برادر بزرگ حضرت فیض العارفین کو تفصیلات سے باخبر کرتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ ایک حافظ اور چند طلبہ کا انتخاب کرکے ان کو جلد از جلد اپنے ہمراہ لائیں- چنانچہ فیض العارفین نے اپنے مریدوں میں سے ایک حافظ اور 9 طلبہ کا انتخاب کیا اور دہلی روانہ کردیا-یوں جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے نام سے مسجد میں تعلیم کا آغاز ہوگیا- بچے مسجد میں پڑھتے تھے، قیام بھی کرتے تھے اور حافظ صاحب کا قیام مسجد کے حجرہ میں رہتا تھا- دو تین ماہ کے بعد دونوں بزرگوں نے باہمی مشورت سے طے کیا کہ بوجوہ چند محلے کے بچوں کا داخلہ بھی ضروری ہے اور مجلس انتظامیہ میں کم از کم دو عہدہ دار درگاہ کے خدام و وابستگان میں سے ہونے چاہئیں-بھینسوڑی شریف کے حافظ صاحب اپنے والد ماجد کی علالت کی وجہ سے دہلی چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو رئیس القلم نے فیض العارفین سے کہا کہ بھائی صاحب! اس تالے کی کنجی آپ ہی کے پاس ہے-فیض العارفین نے اس عقدہ کو یوں حل کیا کہ ضلع بلیا کے حافظ عبد الکریم صاحب کو خط لکھ کر بلالیا جن کا ذکر سطور بالا میں ہوچکا ہے۔ ان کے آنے کے بعد تعلیم و تدریس کا تسلسل برقرار رہا-

رئیس القلم طلبہ پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے اس کے علی الرغم فیض العارفین میں ترحم کا عنصر غالب تھا، ان دنوں دونوں بزرگ بستی نظام الدین میں فروکش تھے- میں تقریباً روزانہ قرول باغ سے بستی نظام الدین آیا کرتا تھا، بلکہ طلبہ کے علاج و معالجہ کی ذمہ داری میرے سر تھی- طلبہ سمجھتے تھے کہ ادارہ کے انتظامی امور میں میرا بہت عمل دخل ہے-ایک دن چند طلبہ نے مجھ سے کہا کہ ہوٹل سے ہمیں صرف دو روٹیاں ملتی ہیں، ہم میں سے بعض طالب علم کا پیٹ نہیں بھرتا- میں نے کہا کہ یہ بات تم میں سے کسی نے علامہ سے نہیں کہی؟ طلبہ نے جواب دیا کہ ان سے ہمیں بہت ڈر لگتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر بھگادیں گے، میں نے اس کی اطلاع فیض العارفین کو دی-

پہلے تو انہیں یقین نہیں آیا لیکن جب آصف اور الیاس کو بلاکر ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ شکایت بجا ہے، حضرت فیض العارفین نے مجھے اپنے ہمراہ لیا اور علامہ کے پاس جاتے ہی کہا کہ مہمان رسول کو بھوکا مارو گے؟ علامہ نے کہا کہ بھائی صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں! میں نے مداخلت کرتے ہوئے واقعے کی تفصیلات بتائیں تو علامہ نے کہا کہ دو روٹیوں سے تو میں شکم سیر ہوجاتا ہوں وہ تو سب کے سب بچے ہیں، میں نے اسی لیے ہوٹل والے کو ہدایت کی تھی کہ سالن کے ساتھ دو دو روٹیاں ہر طالب علم کو دی جائیں اور سب کی حاضری نوٹ کی جائے- تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ہوٹل والا طلبہ کو چھوٹی چھوٹی روٹیاں دیتا تھا اور جو روٹی علامہ کے یہاں آتی تھی وہ بڑی ہوتی تھی، اس کے بعد ہوٹل بھی بدل دیا گیا اور روٹیوں کی تعداد کی قید بھی اٹھالی گئی-

☆Tibbiya College,Principle Kothi,Karol Bagh,New Delhi

ایک دن فیض العارفین نے مجھ سے کہا کہ تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں- میں نے کہا میرے پاس ہے، میں حاضر کردوں گا- دوسرے دن میں نے تفسیر پارہ عم بھجوادیا- ہفتہ عشرہ کے بعد کتاب واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے بعض ضروری مقامات پر حواشی لگادیے ہیں ان کو پڑھ لینا، میں نے دیکھا کہ مولانا مودودی نے جہاں کہیں مسلک حق کے خلاف گل افشانی فرمائی تھی، اس کا رد بلیغ کردیا ہے، جب میں واپس ہونے لگا تو مجھے روک کر کہا کہ سنو! کتاب تمہاری ملکیت تھی، میں نے صرف مطالعہ کے لیے مانگا تھا- اس پر مجھے لکھنا نہیں چاہیے تھا، لیکن میں نے اس اعتماد پر لکھا ہے کہ جب تم اسے پڑھوگے تو خوش ہوگے اور اگر لکھنے کی اجازت مانگتا تو تم خوشی خوشی اجازت دیتے- جیسا کہ میں سطور بالا میں عرض کرچکا ہوں کہ حضرت فیض العارفین پہلے عالم تھے پھر علم تصوف حاصل کرکے منازل سلوک طے کیے- یہاں انہوں نے شرعی نقطۂ نظر سے ایک دخل مقدر کا جواب دیا ہے-

○

ایک دن حضرت فیض العارفین جامعہ کے کمرے میں (مسجد کے حجرے میں) بیٹھے ہوئے تھے، میں بعض طلبہ سے صحن مسجد میں گفتگو کررہا تھا- یکایک بلند آواز سے مجھے بلایا- میں بھاگتا ہوا گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ حدائق بخشش کا ایک صفحہ نشان زد کرکے درج ذیل شعر جھوم جھوم کر پڑھ رہے ہیں:

پللے خوش آمدم در کوئے بغداد آمدم
رقصم و جو شد زہر مویم ندا امداد کن

جیسے ہی میں بیٹھا فرمانے لگے، یہ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے، اعلیٰ حضرت بھی رقص کے قائل نظر آتے ہیں- دیکھیے اس شعر سے تو یہی مستفاد ہے- حضرت فیض العارفین سماع کے قائل تھے بلکہ محفل سماع میں بے روک ٹوک شریک ہوا کرتے تھے یہ ان کی روحانی غذا تھی- مذکورہ شعر کو بار بار پڑھتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے- کہنے لگے: جناب کوئی کیسا ہی ہوشیار ہو جب جذب صادق ہوتا ہے اور کیفیت طاری ہوتی ہے تو ساری ہوشیاری مستی کی نذر ہوجاتی ہے- قربان جایئے اس عالمانہ شان اور حزم واحتیاط پر کہنے لگے: "میں نے "پللے" والا شعر بالکل اپنے مزاج کے مطابق پایا- جو کچھ میں نے کہا ہے (اعلیٰ حضرت بھی رقص کے قائل ہیں) اس کو تفنن سے زیادہ کچھ اور نہ سمجھنا-"

○

ایک دن میں نے حضرت فیض العارفین سے گزارش کی کہ حضور کبھی میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں! حضرت نے کہا کہ کبھی کیوں آج ہی کیوں نہیں؟ میں نے فوراً گھر پر فون کیا کہ حضرت مولانا غلام آسی پیا آج شام کو تشریف لائیں گے (میری اہلیہ اسی نام سے انہیں جانتی تھیں) چنانچہ شام کو میں حضرت اقدس کے ساتھ پرنسپل کوٹھی طبیہ کالج گیا، اس کوٹھی کی انیکسی اا میرے نام الاٹ ہے اور انیکسی اڈاکٹر کمل کشور بجوریا کے نام، صدر دروازہ ایک ہے اور وسیع وعریض آنگن بھی مشترک ہے- جب حضرت تشریف لائے تو ڈاکٹر بجوریا کی فیملی نے بھی استقبال کیا- حضرت نے کہا کہ اسی آنگن میں بستر لگادیں بہت اچھی جگہ ہے- میرے بچے اور بجوریا کی فیملی کے بعض ارکان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں- فیض العارفین چارپائی پر بیٹھے بزرگوں کی حکایات سنا رہے ہیں- عشاء کے بعد چند لقمے تناول فرما کر ہم سے کہا کہ جاؤ اپنی نیند خراب مت کرو- صبح کو ڈاکٹر بجوریا نے مجھ سے کہا کہ میں رات ۱۲ بجے کے بعد دوبارہ آنگن میں آیا اور بابا کو اسی طرح چارپائی پر بیٹھے پایا- کبھی اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے، کبھی دائیں بائیں گھماتے، بابا بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں- صبح کا ناشتہ ہم سب نے ایک ساتھ مل کر کیا- اسی دوران حضرت نے فرمایا کہ چند روز کے بعد میں اجمیر شریف جاؤں گا، ڈاکٹر بجوریا نے کچھ روپے دیے کہ یہ ہماری طرف سے خواجہ صاحب کے مہمانوں کی بھینٹ ہے، اس کے بعد سے میرے گھر سے جب بھی کوئی فرد اجمیر شریف جاتا ہے ڈاکٹر بجوریا خواجہ صاحب کے مہمانوں کے لیے کچھ روپے ضرور بھجواتے ہیں-

○

مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی جب لوک سبھا کا الیکشن لڑکر دوبارہ ایم پی ہوئے تو انہیں عارضی طور پر D12 ایریا میں قیام گاہ مہیا کرائی گئی، کچھ دنوں کے بعد نارتھ ایونیو میں ۱۵۵ نمبر کا فلیٹ الاٹ ہوا- فیض العارفین کا وہاں آنا جانا بہت کم تھا- رئیس القلم کی آمد ورفت زیادہ تھی- ایک دن میری گزارش پر حضرت اقدس مولانا مظفر میاں صاحب علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے- اثناء گفتگو آپ نے ایم پی صاحب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ مسجد عبدالنبی میں جمعیۃ العلما کا

صدر دفتر ہے، جہاں سے وہ اپنے دین دھرم کا کام زور و شور سے کر رہے ہیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دہلی میں اس طرح کا ہمارا بھی کوئی مرکز ہو جہاں سے سنیت کی تبلیغ کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا جا سکے؟ مظفر میاں نے کہا کہ علامہ ارشد اگر اس کا بیڑا اٹھا لیں تو میں ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں- اس کے بعد مولانا اسرار الحق کا دور آیا، یہ ابتداء وٹھل بھائی پٹیل ہاؤس میں روم نمبر ۱۱۳ میں رہتے تھے، پھر راجیہ سبھا کے ممبر ہونے کے بعد انہیں کوپر نکس لین میں کوٹھی الاٹ ہوئی، وٹھل بھائی پٹیل ہاؤس کے زمانۂ قیام میں میں بھی اسی فلیٹ میں رہتا تھا- مولانا اسرار الحق آل انڈیا قومی ایکتا کمیٹی کے صدر تھے- مولانا سید مظفر میاں نائب صدر، علامہ ارشد القادری سکریٹری تھے اور راقم الحروف شرر مصباحی آفس سکریٹری تھا- ایک دن حضرت فیض العارفین تشریف لائے- رمضان المبارک کا مہینہ اور دوپہر کا وقت تھا، حضرت اقدس نے مولانا اسرار الحق صاحب سے کہا کہ میرا ایک مرید ضلع اناؤ میں رہتا ہے، اس کو اپنی حفاظت کے لیے پستول کا لائسنس چاہیے، آپ اناؤ ضلع حکام کو فون کر دیں تو یہ کام آج کا آج ہو جائے گا، کیوں کہ اندرا گاندھی سے آپ کے ربط و تعلق کو سارے حکام جانتے ہیں- مولانا اسرار الحق صاحب نے کہا کہ آپ مطمئن رہیے میں آج کل ہی میں کام کرا دوں گا، ضلع حکام سے میں کیوں کہوں گا، میں ڈائریکٹ یوپی کے ہوم منسٹر یا ہوم سکریٹری سے بات کروں گا- فیض العارفین نے مجھے پچاس روپے دیے اور کہا کہ آج شب قدر ہے، مولانا کے لیے افطار کا سامان خرید لینا، یہ کہہ کر فیض العارفین رخصت ہوئے، میں انہیں پہنچانے گراؤنڈ فلور تک آیا- واپس پہنچا تو مولانا نے کہا کہ کتنے پیسے دیے تھے، میں نے کہا پچاس روپے، بولے لاؤ ادھر کرو، افسوس صد افسوس! فیض العارفین کو یہ نہیں معلوم تھا کہ مولانا روزہ سے نہیں ہیں، بلکہ روزا ایسے ہیں- الحاصل! نہ مولانا نے کسی حاکم یا منسٹر کو فون کیا نہ اس غریب کا کام بنا--

○

حضرت فیض العارفین کا وصال جین نیورو سینٹر جاگرتی انکلیو وکاس مارگ، نئی دہلی میں ۱۳ر جنوری ۲۰۰۳ء بوقت شام پانچ بج کر ۳۰ منٹ پر ہوا- جنازہ اترولہ ضلع بلرام پور لے جایا گیا، جہاں حضرت کی اہلیہ پیرانی اماں مدفون ہیں- غفر اللہ لهما

□□□

بقیہ: پندرہویں صدی کے ایک بغدادی صوفی بزرگ

وہ خیالات اور مذہبی اعتقادات کے تبادلے کا ذریعہ بنی اردو یا ہندوستانی زبان کی ملی جلی شکل کو بڑھانے میں بہاری صوفی مشائخ کے کارناموں کی قدرے جھلک دکھائی دیتی ہے- انھیں کی بولی میں اپنے خیالات اور اعتقادات کو ان تک پہنچانے کا جو طریقہ با کمال صوفی مبلغوں اور پرچارکوں نے اختیار کیا وہ کتنا موثر تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا شیخ کا ہندی بولی میں اِنہا کا استعمال کرنا جو بہار کے دیہی علاقوں میں اب تک مستعمل ہے خاص طور پر قابل ذکر مخطوطہ کے مولف شیرازی دیسی زبان کو سیکھنے میں دقت محسوس کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں انہوں نے ایک بار اپنے روحانی پیشوا سے عرض کیا کہ تمام زبانوں میں ہندوستانی الفاظ کے حروف سب سے زیادہ ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر ہندوستانی ان کے حروف کا تلفظ ان کی طرح نہیں کر سکتے ہم کوشش بلیغ کے باوجود اس میں خوش کلامی کے معراج کو پہنچنے کے قابل نہیں ہوئے اس کا سبب کیا ہے آپ نے جواب دیا آدم جو سب زبان جانتے تھے جنت سے لنکا (سراندیپ) بھیجے گئے تھے- جو ہندوستان کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ مصحف آدم بھی ہندی زبان میں نزول ہوا تھا- اس لیے ہندی لوگ جس زبان کو چاہیں آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور اس پر عبور حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کی مادری زبان ہوگی لیکن دوسرے جو ہندی سیکھنا چاہیں تو اُن کے ساتھ یہ قصہ نہیں-

مناقب کے مولف نے بھی شیخ انجھر کی طرح طویل زندگی پائی اور شیخ کے ساتھ آٹھ مرتبہ طواف کعبہ کیا انھیں کے ساتھ ہندوستان آئے اور ان کے بعد تک زندہ رہے اس لیے نہ صرف یہ کہ وہ ان کی روحانی ہدایت سے ہم کو روشناس کراتے ہیں بلکہ ان کے لڑکوں لڑکیوں پھر ان کی اولاد کے متعلق اور بہت سارے احباب وارشد متبعین مثلاً شیخ حسن مدنی القرشی، شیخ محمد مجذوب مدنی، سید علاء الدین تبریزی، ملک تاج الدین (جو عرف عام میں کھنڈا شیر کہلاتے تھے کیونکہ وہ تلوار کی طرح زبان کے تیز تھے) سید سلطان مشہدی، سید علی مانکپوری عرف سید بھکین، سید شمس الدین ہمدانی، میر سید عباد اللہ خانی، میر سید علی یمنی، میر سید رضی الدین، میر سید عالم و سید شہباز قادری، شیخ کریم الدین حسینی مکی، ابوالطیر عبداللہ مدنی، شیخ ابو جعفر قادری، شیخ احمد قادری، ملک قاذن، حکیم منور کٹھوی، شیخ علی شیر شیرازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ-

یونیورسٹیز میں طلبہ مدارس کے لیے کیا مواقع ہیں؟

نوٹ: - ماہنامہ "جام نور" اپنے اس کالم میں عصر حاضر کے کسی بھی مسئلہ کے تحت ہندوستان کے نامور علماے کرام ودانشوران قوم وملت سے ان کی تحریری رائے لیتا ہے - موصول ہونے والی آراء خواہ وہ مثبت یا منفی پہلو پر ہوں، شائع کی جاتی ہیں تا کہ متعلقہ مسئلے کے دونوں پہلو ارباب علم ونظر اور عام قارئین تک پہنچ سکیں اور متعلقہ مسئلہ پر علماے کرام ودانشوران قوم کی تحقیقی وتجزیاتی رائے کی روشنی میں مسئلے کے صحیح نتائج برآمد ہوسکیں، علما ودانشوران کی سہولت کے پیش نظر مندرجہ بالا سوال سے متعلق چند ذیلی نکات بھی دیے گئے تھے، تا کہ مندرجہ ذیل خطوط پر دلائل وبراہین کے ساتھ وہ اپنا تحقیقی جواب دے سکیں .... (ادارہ)

نکات

{۱} یونیورسٹیز کی طرف طلبہ مدارس کا رخ کرنا کس حد تک نتیجہ خیز رہا؟

{۲} طلبہ مدارس بالعموم یونیورسٹیز کے کن شعبوں میں داخل ہوتے ہیں اور کیوں؟

{۳} وہ کون سے شعبے ہیں جو طلبہ مدارس کی توجہ کے طالب ہیں، جن کی طرف بالعموم طلبہ رخ نہیں کرتے؟

{۴} یونیورسٹیز کا ماحول طلبہ مدارس کے کردار وعمل کو کس حد تک متاثر کرتا ہے اور ان کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کرتا ہے؟

{۵} یونیورسٹیز کا رخ کرتے وقت طلبہ کا رجحان اور انداز فکر کیا ہونا چاہیے؟

> "مدارس سے آنے والے طلبہ زیادہ تر آرٹ اور زبان وادب کے شعبوں میں ہی داخل ہوتے ہیں اور یہی ان کے لیے بہتر بھی ہے - وہ انہیں شعبوں میں اگر محنت سے مطالعہ کریں تو بہت اچھا کر سکتے ہیں"

ڈاکٹر خواجہ اکرام☆

(۱) **پہلی** بات تو یہ ہے کہ جو طلبہ مدارس میں پڑھ رہے ہیں اگر وہیں رہ کر بہت اچھا کریں تو اور بھی بہتر ہے کیونکہ مدارس کو بھی جدید نسل سے اچھے علما اور دانشوروں کی ضرورت ہے - تاہم جو طلبہ یونیورسٹیز کی جانب آنا چاہتے ہیں وہ ضرور آئیں کیونکہ یہاں بھی ان کے لیے مواقع بے شمار ہیں اور یہاں سے کئی راہیں کھلتی ہیں جو بیک وقت دعوت وتبلیغ کے لیے بھی بہتر ثابت ہو سکتی ہیں اور خود ان کے کیریئر کے لیے بھی - کیونکہ تعلیم سے فراغت کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جو ہمارے طلبہ کے سامنے ہوتا ہے وہ تلاش معاش کا ہے - مدارس کی ڈگری سے وہ بہت کچھ مادی فائدے حاصل نہیں کر پاتے اور نہ ہی ان کے لیے سرکاری نوکری کے مواقع ہوتے ہیں - حالانکہ اصولی طور پر میں بھی یہ نہیں مانتا کہ تعلیم کا مقصد محض حصول معاش ہے - لیکن جس عہد اور معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اور پوری قوم کو جن مشکلات کا سامنا ہے، وہاں اس کی ضرورت زیادہ محسوس کی جاتی ہے کہ قوم کا ہر بچہ برسر روزگار ہو تا کہ ہماری قوم سے غربت ختم ہو سکے اور اپنے ملک میں مناسب مقام حاصل کر کے قوم کو ابھارنے میں ہر طالب علم اپنا کردار ادا کر سکے - کہا جاتا ہے کہ کسی ایک شخص کی نوکری سے پورا کنبہ آسودہ ہوتا ہے اور سماج میں بھی اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے - اس کے مقابلے ایک بہت ہی قابل اور صلاحیت مند طالب علم جو کسی وجہ سے کوئی نوکری نہیں حاصل کر سکا - اسے نہ تو گھر میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی سماج میں، بلکہ سماج میں لوگ اس کی مثالیں دینے لگتے ہیں کہ اُس نے پڑھ کر کیا کیا؟ کسی قابل نہیں رہا - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ احساس کمتری اُس سے کچھ کرنے کی صلاحیت بھی چھین لیتی ہے - یہ بھی واضح رہے کہ یہ حالت صرف مدارس کے طلبہ کی

☆Associate Professor,JNU,New Delhi Email:khwajaekram@gmail.com

نہیں ہے بلکہ یونیورسٹیز اور کالج کے طلبہ بھی ایسے ہوتے ہیں جو پڑھ لکھ کر کچھ نہیں کر پاتے لیکن ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔اس تناظر میں اگر مدارس سے یونیورسٹیز کی جانب سفر کرنے والے طلبہ کو دیکھیں تو ان کا اس جانب آنا سود مند رہا ہے۔ اب تک مختلف یونیورسٹیز اور کالجز میں جن طلبہ کو میں نے دیکھا ہے اچھی بات یہ ہے کہ وہ یہاں آکر بھی بہت نمایاں رہے ہیں اور فراغت کے بعد وہ کہیں نہ کہیں اچھی جگہ پر موجود ہیں۔

مدارس سے آنے والے طلبہ دو طرح کے ہیں ایک وہ ہیں جو چند سال ہی مدرسے میں رہے اس کے بعد باضابطہ میٹرک سے دوبارہ تعلیمی سفر شروع کرتے ہیں۔اور دوسرے وہ ہیں جو عالمیت کے بعد آتے ہیں، ایسے طلبہ بی اے میں داخلہ لیتے ہیں۔ تین سال بی اے کرنے کے بعد یا تو وہ بی ایڈ کر کے جلدی ہی سرکاری اسکولوں میں نوکری حاصل کر لیتے ہیں یا اعلیٰ تعلیم کی جانب رخ کرتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کی جانب رخ کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں کیونکہ اس منزل تک پہنچتے پہنچتے اُن کے گھر والوں کا صبر وضبط ختم ہونے لگتا ہے اور والدین کی جانب سے جلد ہی برسرروزگار ہونے کا تقاضہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ عین سماجی تقاضے کے مطابق ہے کیونکہ مدارس کی جانب رخ کرنے والے زیادہ تر میڈل کلاس یا لور (lower middle class) کے ہوتے ہیں جو اس عمر میں پہنچ کر گھر کی ذمہ داری سنبھالنے لگتے ہیں۔ اسی لیے بہت کم ہی طالب علم اعلیٰ تعلیم کی طرف جاتے ہیں، لیکن دوسری بات یہ ہے بھی ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے مخصوص مدارس کے بچے ہی رخ کرتے ہیں۔ ہندوستان کے عصری اداروں کا اگر سروے کریں تو اندازہ ہوگا کہ دیوبند، سلفیہ، اصلاحیہ اور ندوہ کے طلبہ زیادہ ہیں اب الجامعۃ الاشرفیہ کے بچے بھی آنے لگے ہیں اور وہ ہر میدان میں بہت اچھا کر رہے ہیں۔

میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ جو طالب علم پڑھنا چاہتے ہیں اور گھریلو حالات اجازت دیتے ہیں تو انھیں ضرور عصری اداروں میں آنا چاہیے کیونکہ بیشتر ادارے ایمان ویقین کی روشنی سے خالی ہیں۔ مدارس کے طلبہ اگر دعوت وتبلیغ کی مہم کو سامنے رکھ کر آتے ہیں تو آنے والے دنوں میں بہت بہتر نتائج کی امید کی جاسکتی ہے۔ ان طالب علموں کو دعوت وتبلیغ کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بس وہ عملی نمونہ بن کر بھی رہیں تب بھی کئی جہتوں سے کام ہو سکتا ہے۔اب تو مدارس کے طلبہ جو کسی طور پر بھی یونیورسٹیز میں ہیں ان کو اچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے (استثنا تو ہر جگہ ہے اس لیے یہاں بھی برعکس صفات کے حامل مدارس کے طلبہ موجود ہیں۔) کیونکہ وہ اچھے اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک مادی ادارے میں یہ صفت بھی عنقا ہوتی ہے، اس لیے صرف اس اعتبار سے بھی اگر ان کے آنے کو دیکھا جائے تو باعث رحمت ہے اور نتیجہ خیز ہے۔

(۲) دیکھیے !مدارس سے آنے والے طلبہ زیادہ تر ہیومینیٹز میں ہی داخل ہوتے ہیں اور یہی ان کے لیے بہتر بھی ہے۔ کیونکہ ان سے سائنس اور انجینیرنگ کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ممکن ہے۔ ہیومینیٹز میں بھی بہتر مواقع ہیں۔دیکھیے معاملہ یہ ہے کہ ہیومی نیٹز کے زیادہ تر شعبوں میں اگر محنت سے مطالعہ کر لیں تو اچھا کر سکتے ہیں، کلاس روم کی تھوڑی تربیت اور اپنی زیادہ محنت رنگ لاسکتی ہے۔لیکن اس کے برعکس اور کسی شعبے میں مثلاً اکنومکس، ماحولیات یا سائنس کے دیگر شعبوں میں جب تک بنیادی تعلیم نہیں ہے کچھ نہیں کر سکتے ۔اس لیے مدارس سے آنے والے طلبہ کو میرا یہ مشورہ ہے کہ کہ کمر باندھ کر آئیں اور اور اپنی دلچسپی کے موضوع کا انتخاب کریں اور خوب محنت کریں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جس علم اور موضوع میں آپ کو مہارت ہوگی اس میں آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

(۳) دیکھیے !وہ طلبہ جو عالمیت یا فضیلت کے بعد یونیورسٹی کی جانب آنا چاہتے ہیں۔ظاہر ہے وہ مدرسے کی ڈگری کی بنیاد پر ہی یا تو بی اے میں داخلہ لیں گے یا ایم۔اے میں داخل ہوں گے۔ چونکہ یہ سہولت موجود ہے اس لیے وہ ان اداروں میں تعلیم کی درمیانی منزل میں قدم رکھتے ہیں ۔ شروع سے ان کی تربیت اور تعلیم ایسی نہیں ہوتی کہ ان سے بہت زیادہ توقع کی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ ہیومی نیٹز کے ہی کسی شعبے میں جائیں اور محنت کر کے مقابلہ جاتی امتحانات میں شریک ہوں۔

(۴) یونیورسٹیز کا ماحول طلبۂ مدارس کے کردار وعمل کو کس حد تک متاثر کرتا ہے اور ان کی زندگی میں کیا انقلاب پیدا کرتا ہے؟اس کا جواب تو کوئی ماہر نفسیات ہی دے سکتا ہے، کیونکہ اس کا تعلق انسان کے ذہنی عمل سے تعلق رکھتا ہے، لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں طلبہ کو مخصوص تربیت دی جاتی ہے جسے ہم قید و بند سمجھتے ہیں، ان پر وہ عمل کرتے ہیں۔اس لیے ایسا دیکھا گیا ہے کہ مدارس کے پابند ماحول سے آنے والے کچھ

طالب علم اسے آزادی تصور کرتے ہیں۔ اللہ معاف کرے آزادی تصور کرنے والے بیشتر طالب علم بے راہ رویوں کے شکار ہوئے ہیں۔ میرے سامنے ایسے مشاہدے بھی ہیں جو نہ صرف آزاد خیال ہوئے بلکہ بے دین بھی ہوگئے ہیں ان کی تفصیلات شاید غلط میسیج نہ دے دے اس لیے میں انھیں بیان نہیں کرنا چاہوں گا۔ لیکن اس کے برعکس ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ طلبہ دوسروں کے لیے باعث عبرت بھی بنے ہیں۔ رہی بات جو آپ نے دریافت کی ہے کہ کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ اسے انقلاب نہ کہہ کر اگر طوفان کہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ دو متضاد ماحول کے ٹکراؤ سے ایک طوفان برپا ہوتا ہے۔ بس اس طوفان سے بچنا ہے پھر بیڑا پار ہے۔

(۵) جہاں تک سوال ہے کہ یونیورسٹیز کا رخ کرتے وقت طلبہ کا رجحان اور انداز فکر کیا ہونا چاہیے؟ تو صرف اتنی سی بات کا خیال کریں کہ وہ اپنی اصلیت کو نہ بھولیں یہی کافی ہے۔ □□□

> **"طلبۂ مدارس ابھی تک صرف عربی، فارسی، اردو جیسے شعبوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ اب انہیں مطالعات نسواں، تھرڈ ورلڈ اسٹڈیز، پیس اینڈ کانفلکٹ، تقابل ادیان اور دوسرے نئے شعبوں کی طرف بھی بڑھنا چاہیے"**

ضیاء الرحمٰن علیمی☆

اسلام اس بات کی دعوت نہیں دیتا ہے کہ سارے مسلمان دینی علوم یعنی قرآن وحدیث کے ہی ماہر بن جائیں اور دیگر علوم وفنون جنھیں دنیاوی علوم سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے بالکلیہ صرف نظر کرلیں۔ کیوں کہ اسلام میں دینی ودنیاوی علوم جیسی کوئی تقسیم موجود نہیں ہے۔ اسلام نے علم کی صرف دو قسم قرار دیا ہے، نافع اور غیر نافع، اب مقاصد شریعت کی انجام دہی اور اس کی تکمیل میں جو بھی علم نفع بخش ہوگا وہ بلا واسطہ یا بواسطہ دین کہلائے گا اور جو بھی علم ان کی تکمیل میں سود مند نہیں ہوگا وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دنیا قرار پائے گا۔ آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی ہر وہ تگ ودو جو کسی بھی طرح اللہ تک پہنچانے والی ہو وہ دین ہے اور جو بھی جدوجہد اللہ سے غافل کرنے والی ہو وہ دنیا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ کچھ علوم بلا واسطہ دین سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً علوم قرآن وحدیث وغیرہ اور اسی اعتبار سے ان علوم کو دینی علوم کا نام دیا گیا ہے اور دوسرے علوم جن کا بلا واسطہ دنیا سے تعلق ہے ان کو دنیاوی علوم کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام چوں کہ اعتدال وتوازن کا داعی ہے اسی لیے اسلام کا مطلوب یہ ہے دونوں قسم کے علوم حاصل کرنے والے افراد باہمی استفادہ کا ماحول قائم کریں۔ دینی علوم حاصل کرنے والے دنیاوی علوم سے بالکل نابلد نہ ہوں اور دنیاوی علوم حاصل کرنے والے مبادیات وضروریات اسلام سے بالکل بے بہرہ نہ ہوں۔ دونوں ہی گروہ کے افراد اپنے اپنے شعبے میں ایسی مہارت پیدا کریں جو عصری ہو۔ علوم قرآن حاصل کرنے والے اپنے فن میں دسترس حاصل کریں، کچھ افراد حدیث اور علوم حدیث میں اکسپرٹ ہوں، اسی طرح دیگر دینی علوم کے متبحرین بھی سامنے آئیں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ان کی یہ مہارت ایسی ہو کہ اس کا سہارا لے کر اپنے زمانے کے اسلوب و آہنگ میں وہ اس کی تفہیم وتوضیح کرسکیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے دریائے علم پر پہنچنے والا انسان پیاسا ہی لوٹ جائے۔ یوں ہی دنیاوی علوم حاصل کرنے والے بھی اپنے اپنے شعبے میں اتنی وسیع معلومات رکھتے ہوں کہ ضرورت پڑنے پر دینی علوم کے ماہرین بھی ان کے علم سے استفادہ کرسکیں۔

اسلامی مدارس اور عصری دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ دونوں گروہ کے ماہرین پیدا ہوں، باہمی استفادہ کا ماحول قائم ہو اور دونوں ہی امت کی فلاح وبہبود کا کام انجام دیں، لیکن امت کے زوال کے ساتھ ہی مسلم معاشرے پر ایک دور ایسا بھی آیا جب محض ظاہری دینی علوم کے حصول پر دینی عظمتوں کی ساری سندیں عطا کردی گئیں اور دنیاوی علوم حاصل کرنے والے، چاہے ان کی نیتوں میں اخلاص کیوں نہ رہا ہو، ان کو ساری رفعتوں سے محروم کردیا گیا، یوں ہی عصری علم رکھنے والے اپنی دانشوری کے زعم کا شکار ہوگئے اور اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ دینی علوم اور دنیاوی علوم کے ماہرین کے مابین ایک خلیج پیدا ہوگئی، باہمی استفادہ کا ماحول بھی جاتا رہا، علمائے دین عصری علوم سے بالکلیہ ناآشنا ہوگئے اور دنیاوی علوم سے متعلق افراد دین سے ناواقف رہ کر بے دینی کا شکار ہوگئے۔ اس طرح تعاون باہمی کے اصول سے انحراف کی بنا پر اسلام اور ملت اسلامیہ کی صحیح خدمت سے دونوں گروہ محروم رہے۔ البتہ وقت کی پکار ایسی جبری طاقت ہے جو ہر گم گشتہ راہ کو راہ پر گامزن کردیتی ہے۔

☆mzralimi@gmail.com

چنانچہ ایک عرصے تک عصری دانش گاہوں سے مکمل بے اعتنائی کے بعد ادھر دس سالوں سے طلبۂ مدارس نے تیزی سے یونیورسٹیز اور کالجز کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔ طلبۂ مدارس کے لیے یونیورسٹیز کی راہیں کھولنے میں جہاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ہمدرد یونیورسٹی کا بڑا رول رہا، وہیں سیاست کے گلیاروں میں بھی یہ آواز گونجنے لگی کہ طلبہ مدارس کے لیے عصری دانش گاہوں کے دروازے چوپٹ کھول دیے جائیں۔ اب یہ آواز گزرتے دنوں کے ساتھ تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

طلبۂ مدارس کا یونیورسٹیز کی جانب رخ کرنا کس قدر نتیجہ خیز رہا؟ اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ نتیجہ خیزی کی بحث قبل از وقت (Premature) ہے۔ کیوں کہ ابھی طلبہ مدارس کی آمد کا ابتدائی دور ہے، اس دور میں غلطیاں کرنے والے، لغزش کھانے والے اور اپنے مقصد سے بھٹک جانے والے افراد کی تعداد زیادہ ہوگی اور اثر ڈالنے والوں کی تعداد کم ہوگی۔ ابھی اجنبی ماحول میں قدم رکھنے کی وجہ سے ٹھوکریں کھائیں گے لیکن یہی تحریک جب اپنے ابتدائی دور سے نکل جائے گی، اثر پذیری کا عمل انجام پا جائے گا اور پھر علما کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو جائے گی جو مدرسے سے سند فراغ رکھنے کے ساتھ، یونیورسٹی کی بھی اعلیٰ سندیں لیے ہوں گے، کسی مناسب ذریعہ معاش سے بھی جڑ چکے ہوں گے اور پھر وہ یونیورسٹی کی جانب رخ کرنے والے طلبہ کی، اپنے وسیع علم اور تجربے کی روشنی میں رہنمائی کریں گے، پھر باصلاحیت افراد پیدا ہوں گے، تب جا کر اس تحریک کی نتیجہ خیزی پر کوئی صحیح گفتگو ممکن ہو سکے گی۔ دوسری بات یہ کہ ابھی تک عموماً جو بھی طلبہ یونیورسٹی کا رخ کر رہے ہیں وہ سب کے سب خود مختار اور کسی کے سامنے اپنی سرگرمیوں کے لیے جواب دہ نہیں ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ کا کردار و عمل بھی متاثر ہو رہا ہے اور مختلف قسم کی دینی و اخلاقی خرابیاں در آ رہی ہیں۔ حالاں کہ میرا ماننا ہے کہ یہ قافلہ بھی گزرتے زمانے کے ساتھ شاہراہ مستقیم پر گامزن ہو جائے گا لیکن میرا یہ بھی ماننا ہے کہ یہ طلبہ اگر کسی استاذ یا نگراں کی نگرانی اور ان کی پشت پناہی میں یا پھر کسی فلاحی تنظیم کی سرپرستی میں بھیجے جاتے تو یہ اپنے مذہب اپنی قوم اور خود اپنے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتے اور ان کی مذہبی و اخلاقی خرابیوں کی شکایتیں بھی دور ہو جاتیں۔ کیوں کہ مذہبی و اخلاقی خرابیوں سے حفاظت کا سب سے بہترین طریقہ تربیت ہے اور وہ عموماً مدارس میں انجام نہیں دیا جاتا اور ستم بالائے ستم یہ ہوتا ہے کہ یونیورسٹی میں جب وہ بغیر کسی کی سرپرستی کے قدم رکھتے ہیں اور پھر جب ان کا کردار و عمل متاثر ہوتا ہے تو اس مریض کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا جانے کے بجائے ان کا مذہبی و سماجی بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کا مرض اور بھی بڑھ جاتا ہے اور پھر ان کے باغیانہ تیور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ویسے بھی روح اسلام اور مختلف اسلامی اعمال کے فرق مراتب سے نا آشنائی کی بنا پر خود کو اجنبی ماحول کا حصہ بنانے میں انہیں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اور اس وقت جو ہیجانی کیفیت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے طالب علم اگر کچھ زیادہ ہی سخت گیر ہے تو واپس اپنی پرانی دنیا کا رخ کر لیتا ہے یا پھر ایڈجسٹ کی غرض سے کچھ زیادہ ہی لچک دار ہو جاتا ہے اور بہت سے اسلامی اصولوں سے بھی سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ اسے اپنے ماضی سے نفرت ہو جاتی ہے اور پچھلی دنیا سے اس کا رابطہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

ان ساری باتوں کے باوجود طلبہ مدارس کا یونیورسٹیز کی جانب رخ کرنا کئی لحاظ سے اہم رہا ہے۔ ان کی آمد سے قدیم و جدید کی ایک خلیج بڑی حد تک کم ہوئی ہے، غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں اور مستقبل میں قدیم و جدید کے مابین بہتر رشتے کے روشن امکانات ہیں۔ ان کی آمد سے روشن خیال طبقہ کی اس سوچ کو بڑا جھٹکا لگا ہے کہ طلبۂ مدارس بڑے قدامت پسند ہیں اور وہ کسی بھی تکثیری سماج (Plural Society) کا حصہ بننے کے قابل نہیں ہیں۔ ان کے کردار و اخلاق سے یہ فکر بھی بالکلیہ مسترد ہو چکی ہے کہ مدارس میں دہشت اور دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کی آمد اور ان کے بہترین تعلیمی مظاہرے سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ یہ طلبہ نہایت محنتی، ذہین اور باصلاحیت ہوتے ہیں۔ خود ان طلبہ مدارس کو حوصلہ ملا ہے اور انہیں اپنی صلاحیتوں کا حقیقی اندازہ ہوا ہے، انہیں اس حقیقت کا بھی ادراک ہوا ہے کہ وہ عصری مضامین پڑھ کر اپنی دنیا سنوارنے کے ساتھ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے ہیں۔

طلبۂ مدارس کی یونیورسٹیز میں آمد دعوتی سطح پر بھی مفید رہی ہے۔ ابھی تو چوں کہ ابتدائی دور ہے اور تنظیمی ڈھانچے کی بھی کمی ہے اس لیے اس کی افادیت بہت زیادہ سامنے نہیں آ رہی ہے لیکن گزرتے زمانے کے ساتھ دعوتی نقطہ نظر سے بھی ان کی آمد مفید سے مفید تر ہوتی چلی جائے گی۔ کیوں کہ میں اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ماڈرن طبقہ خصوصاً اگر وہ دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کے سامنے حق بات

عصری اسلوب اور عقلی انداز میں پیش کی جائے تو وہ اسے سننے اور قبول کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کرتا، خصوصاً تصوف اور روحانیت کے موضوع سے انہیں بڑی دل چسپی ہوتی ہے۔ اب اگر اسلام اور ''احسانی فکر'' کے علم بردار حق بات ان کے سامنے پہنچائیں تو وہ ضرور قبول کرے گا اور اس طرح اگر ہم اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو مسلمان نہیں بنا سکے تو کم از کم انہیں مسلمانوں کا دشمن بننے سے بچالیں گے اور اس طرح دعوتی خدمت انجام دے سکیں گے۔

مجموعی طور پر یونیورسٹی میں آنے والے طلبہ مدارس اپنی ترجیحات، اپنے فکری میلانات کے لحاظ سے اپنی نئی دنیا بسانے میں لگے ہوئے ہیں اور کامیابی بھی مل رہی ہے۔ اخلاقی خرابیوں کی اصلاح محبت وشفقت اور خود مدارس میں تربیتی نظام پر توجہ دے کر ممکن ہے۔ نئی دنیا میں قدم رکھنا اور نئی دنیا بسانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جو حضرات چند خرابیوں کی وجہ سے طلبہ پر تنقید کرتے ہیں، ان کی اکثریت ایسی ہے کہ اگر انہیں ایسے ماحول کا سامنا ہو جائے تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے اور امت کے ایک بڑے طبقے کو اسلامی دعوت سے محروم کر دیں گے۔

البتہ طلبۂ مدارس کی یونیورسٹیز میں آمد کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ابھی تک انہیں شعبوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں جن کی وہ تعلیم پہلے حاصل کر چکے ہیں مثلاً عربی، فارسی، اردو وغیرہ۔ اس کی ایک وجہ تو تن آسانی اور معلومات کی کمی ہے اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب تک مدارس کی اسناد انٹرمیڈیٹ کے برابر تسلیم نہیں کر لی جاتی تب تک وہ ان ہی مضامین کا انتخاب کر کے یونیورسٹیز میں اپنی انٹری کر سکتے ہیں لیکن بی اے کی سطح پر سبسڈری (Subsidry) کے طور پر دوسرے مضامین مثلاً تاریخ، شوسیولوجی، پالیٹکل سائنس، جغرافیہ اور انگریزی زبان وادب جیسے مضامین لے سکتے ہیں اور یونیورسٹیز میں یہ سہولت بھی موجود ہوتی ہے کہ وہ فائنل ایر میں سبجیکٹ بدل کر سبسڈری میں سے کسی ایک کو اپنا مین (Main) سبجیکٹ بنالیں، اس طرح وہ ایک نئے سبجیکٹ سے بی اے کر سکیں گے، خصوصاً جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں بی اے کی سطح پر نول اور آپشنل کورس (Optional course) کے طور پر ہر سال بالترتیب چار اور آٹھ سبجیکٹ کا پڑھنا لازمی ہوتا ہے۔ مدارس کے ہوشیار طلبہ ان کورسیز کے لیے نئے نئے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں۔ یوں ہی گریجویشن کے بعد پوسٹ گریجویشن کے لیے بہت سارے کورسز موجود ہیں جن میں داخلہ لے کر ایک نئی دنیا آباد کر سکتے ہیں مثلاً سبسڈری سبجیکٹ سے شوسیولوجی، پالیٹکل سائنس، جغرافیہ، انگریزی ادب وغیرہ میں بھی ایم اے کر سکتے ہیں۔ یوں ہی بین اقوامی مطالعات ایک وسیع میدان ہے اور وہ یونیورسٹیاں مثلاً جواہر لال نہرو یونیورسٹی جو بین اقوامی مطالعات کے کورسیز کراتی ہیں وہاں داخلے لے کر ایک نیا میدان منتخب کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ماس کمیونی کیشن کا میدان بھی ان کے لیے کھلا ہے۔ اس کے مختلف کورسیز میں داخلے لے سکتے ہیں، ان کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دیگر یونیورسٹیز میں آئے دن نئے مراکز کھل رہے ہیں ان میں ایڈمیشن لے کر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں مثلاً مرکز برائے مطالعات نسواں، سنٹر فار تھرڈ ورلڈ اسٹڈیز (Centre for third world studies)، سنٹر فار پیس اینڈ کانفلکٹ (Centre for peace and confilict)، شعبۂ تقابل ادیان وغیرہ۔ یہ میدان ایسے ہیں جو بلا واسطہ یا بالواسطہ مسلم مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ صرف چند نام ہیں بقیہ اور بہت سے مواقع موجود ہیں جن کا اندازہ طلبہ کو خود میدان میں اترنے اور مواقع کی تلاش میں لگے رہنے سے ہو جائے گا۔ اور ان شاء اللہ کامیابی بھی ہاتھ آئے گی۔

یونیورسٹی کے ماحول میں کس طرح اپنی زندگی گزاری جائے، وہاں ہمارا انداز فکر اور طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ ہم سب طلبہ مدارس کے پیش نظر یہ رہنا چاہیے کہ ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر کچھ مذہبی واخلاقی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں جن کا پاس ولحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم شعوری یا لاشعوری طور پر یونیورسٹی کے ماحول میں خصوصاً اسلام کے نمائندے اور اس کے سفیر ہیں۔ اچھا سفیر اپنے مشن کے لیے سود مند ہوتا ہے اور دوسروں کی بھی بھلائی کا ذریعہ۔ نامقبول سفیر اپنے مشن کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ اس لیے ہم سفارت کا کام بہتر انداز میں انجام دینے کی کوشش کریں اور نامقبول سفیر (Person non grata) بننے سے گریز کریں۔ پورے حوصلے کے ساتھ اپنے ماضی کو بنیاد بنا کر، اپنے حال سے استفادہ کرتے ہوئے، اپنی خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے مستقبل کی تعمیر کی کوشش کریں، یونیورسٹیز میں وقتاً فوقتاً مختلف دانشوروں کے لیکچرز ہوتے رہتے ہیں، ان میں ترجیحی طور سے شرکت کریں، مختلف بہتر موضوعات پر سمینار منعقد ہوتے ہیں ان میں جس طرح ممکن ہو حصہ لیں۔ مواقع سے فائدہ اٹھائیں مسائل کو نظر انداز کریں اور پھر ایک ایسی نسل

بن کر افق عالم پر ابھریں جو یقین محکم کی دولت لازوال سے مالامال ہو، قدیم وجدید کا سنگم ہو، عمل پیہم کی عادی ہو، معاشی طور پر مستحکم ہو، تواضع وحلم سے آراستہ ہو، اس کے سینے میں پوری انسانیت اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے دھڑکتا ہوا دل ہو اور اللہ کے کنبے کے لیے وہ محبتوں کا اتھاہ سمندر ہو اور پھر وہ جہاں رہے جس شعبے میں رہے شعوری یا لاشعوری طور پر اسلامی دعوت کا کام انجام دے سکے- اس طرح ملت اسلامیہ بلکہ پوری انسانیت جو اس وقت قدیم صالح جدید نافع کی جامع نسل کی تلاش میں ہے، کے مابین اکیسویں صدی میں دعوت کا کام بہتر انداز میں انجام پا سکے گا اور اس طرح وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہو سکے گی- ہم طلبۂ مدارس کو اپنی خدمت کے ساتھ اکیسویں صدی میں قدیم صالح جدید نافع کی جامع نسل بننے اور اسلام کی خدمت کا ایک بہترین موقع ملا ہے اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے: وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم اگر تم منہ پھیروگے تو وہ تمہارے علاوہ ایک دوسری قوم کو لائے گا جو تم جیسی نہ ہوگی (محمد: ۱۰۰) □□□

بقیہ: پاک-امریکہ اسٹریٹیجک مذاکرات: کتنے کامیاب کتنے ناکام؟

ظاہری طور پر تو یہی لگتا ہے کہ پاکستان ان طالبان کمانڈروں کو اس لیے اپنی حراست میں رکھ رہا ہے تاکہ وہاں امن وامان قائم کیا جا سکے- اور طالبان کے یہ لیڈر تشدد کا راستہ ترک کر دیں اور افغانستان کی حکومت کی خواہش کے مطابق امن کے راستے پر گامزن ہوں- ایسے میں افغانستان کے حوالے سے پاکستان کا ہندوستان پر لگایا جانے والے الزامات ۔ گریز کرنا چاہیے- ابھی حال ہی میں افغانستان کے صدر حامد کرزئی کے حالیہ اسلام آباد دورے سے متعلق ایک رپورٹ آئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کیانی نے کرزئی سے کہا تھا کہ اگر کابل طالبان کے ساتھ امن چاہتا ہے تو وہ ہندوستان کے اثر و رسوخ کو ختم کرے- دی ٹائم میگزین نے افغانستان کے ایک سفارت کار کے حوالے سے، جو حامد کرزئی کے ساتھ اسلام آباد گئے تھے، کہا ہے کہ پاکستانی آرمی چیف اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ کرزئی کی میٹنگ کے دوران انھیں (کرزئی) کو بتایا گیا تھا کہ اسلام آباد" طالبان کو مستقبل کی امن بات چیت میں تبھی شامل کرے گا جب افغانی صدر ہندوستان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنا شروع کریں گے-" یہ بیان ملک کے اندر چھپے ہوئے انتہا پسند کمانڈروں کو تقویت پہنچائے گا اور ساؤتھ ایسٹ ایشیا میں امن وامان قائم کرنے نیز ان ممالک کی ترقی میں رکاوٹ بنے گا- □□□

بقیہ: پیمائش (تبصرہ):

-(۴) مسلمانوں کا کون سا طبقہ انگریزوں کی تائید وحمایت میں تھا؟ (۵) انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر ہندو مسلم اتحاد کی کیا صورت تھی؟ (۶) آزادی ۱۹۴۷ء پر انقلاب ۱۸۵۷ء کے کیا اثرات رہے؟ (۷) ملکی سطح پر انقلاب ۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں مسلمانوں خصوصاً علماء کو نظر انداز کرنے کے کیا اسباب ہیں؟ (۸) انقلاب ۱۸۵۷ء کی ۱۵۰ رویں برسی پر ہندوستانیوں کو اس سے کون سا سبق ملتا ہے؟

سوال (۴) کا جواب تقریباً دونوں حضرات نے نہیں دیا ہے یا یہ کہ سوال کرنے والے کے مقصد تک پہنچ کر بھی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے- سوال (۶) کا جواب بہت ہی مختصر لیکن بہت ہی اہم مولانا یٰسین اختر مصباحی نے دیا ہے، جو حقیقت واقعہ ہے- وہ فرماتے ہیں:

"کئی مؤرخین نے صاف صاف یہ تحریر کیا ہے کہ ۱۹۴۷ء دراصل ۱۸۵۷ء کا تکملہ ہے، ۱۹۴۷ء سے پہلے کے زعماء وقائدین کو تحریک دراصل ۱۸۵۷ء ہی سے ملی اور ہمارا ہندوستان مدتوں بعد آزادی سے ہم کنار ہوا اور یہ واضح ہے کہ حال کی تاریخ کا ماضی سے بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کے اثرات ونتائج کسی نہ کسی شکل میں بعد میں ظاہر ہوتے ہیں- یہی معاملہ ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کا بھی ہے-"

سوال (۷) کا جواب پروفیسر سید عزیز الدین احمد نے بہت ہی تلخ انداز میں دیا ہے لیکن اس کی حقانیت پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی- اس جواب کو بار بار پڑھنا چاہیے- شکایتی لب ولہجہ کو اختیار نہ کر کے بہت بے باک و بے لاگ بات کہی گئی ہے- شکایتوں تک اس جواب کو پہنچنا چاہیے- اس انٹرویو کے مطالعہ سے قاری عصری دانش گاہ اور دینی دانش گاہ سے تعلق رکھنے والے دو اہم حضرات سے ملاقات کرتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ دونوں کے سوچنے کا انداز کیا ہے، دونوں کی فکری پرواز کتنی ہے اور دونوں کے نقطۂ نظر میں فرق کیا ہے- بہر حال کتاب میں کمپوزنگ کی غلطیاں کافی کم ہیں- ان انٹرویوز کی اہمیت کے پیش نظر ادارۂ فکر اسلامی کی طرف سے انہیں الگ سے کتابی صورت دیا جانا اچھی پیش رفت ہے- □□□

اظہارِ خیالات

اس کالم میں آپ سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی اور ملی کسی بھی مسئلہ پر اپنی فکر اور اپنے خیال کا برملا اظہار اور بے لاگ تبصرہ کرسکتے ہیں جو ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جائے گا، واضح ہو کہ اس سلسلے میں آپ کی تحریر مختصر اور جامع ہونی چاہیے.........(ادارہ)

مولیٰ کریم دعوت اسلام کو فروغ بخشے!

پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی
سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

دعوت اسلامی کے ذمہ دار حضرات سے فقیر برکاتی کو بار ہا ملنے کا اتفاق ہوا اور ان سے تفصیلی گفتگو بھی ہوئی۔ سال گزشتہ احمد آباد (انڈیا) کے عالمی اجتماع میں شرکت کا موقع بھی میسر آیا۔ میرے محدود مطالعہ کی روشنی میں دعوت اسلامی بہت مذہبی تحریک ہے۔ وہ سنتوں پر عمل کرانے کے سلسلے میں انتھک محنت کر رہی ہے۔ لاکھوں کارکنان کے مجمع میں اگر چند لوگ غلطی کرتے بھی ہیں تو اس کو دعوت اسلامی کے کھاتے میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ تبلیغ کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت اور فروغ کا معاملہ ہے۔ دعوت اسلامی پوری طرح محنت کر رہی ہے، فقیر قادری "دعوت اسلامی" کے ذمہ داران سے بڑی حد تک متفق ہے۔

میرے دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ مولائے کریم بطفیل سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریک کو فروغ عطا فرمائے، آمین بجاہ الحبیب الامین و علی آلہ و اصحبہ اجمعین۔ جملہ برادران اہل سنت سے پرزور اپیل ہے کہ دعوت اسلامی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں دامے، قدمے، قلمے، سخنے، ہر طرح کا تعاون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتا۔ وما علینا الا البلاغ

مسلک اہل سنت کا فروغ دعوت اسلامی کا مشن ہے

مولانا سبحان رضا خان سبحانی میاں
سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف

کچھ عرصہ قبل دعوت اسلامی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا، اس کا دائرۂ تبلیغ محدود نہیں، بلکہ سارے عالم کو اسلامی غور و فکر و تبلیغ کے لیے کمربستہ ہے۔ اس جماعت کا مکمل سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلک اہل سنت و جماعت کو فروغ دینا ہی نصب العین ہے۔ دعوت اسلامی نام کی تنظیم کے مراکز مختلف ممالک میں قائم ہو رہے ہیں۔

برادران اہل سنت و جماعت خصوصاً علمائے کرام وائمہ مساجد سے ہر ممکن تعاون کی اپیل ہے اور بارگاہ رب العزت میں استغاثہ ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں صاحب تنظیم اور اس کے معاونین کو دارین کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ نیز اس تحریک کو فروغ عطا فرمائے اور اکابرین اہل سنت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

میں دعوت اسلامی کے ہر کام سے متفق ہوں

مولانا منان رضا خان منانی میاں
سربراہ: جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی

ممبئی جیسی قیمتی جگہ میں جہاں زمینیں بہت مہنگی ہوتی ہیں، کئی منزلوں پر مشتمل فیضان مدینہ کی شکل میں ایک عظیم ادارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، جہاں سے دعوت اسلامی والے سنیت کا کام کر رہے ہیں۔ میں بھی اس کو دیکھنے کا مشتاق تھا کہ محمد علی روڈ پر اس کے علاوہ اور کوئی جگہ ہمارے پاس

نہیں ہے- یہ اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے اور فیضان مدینہ کی ہی برکت ہے- لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم علمائے اہل سنت کو یہاں لاکر دکھائیں، ان کے ساتھ رہیں اور ان سے محبت کریں-

دعوت اسلامی جو کام کر رہی ہے وہ ہم سب کا ہے- میں یورپ میں بھی دعوت اسلامی کے پروگراموں میں شریک ہوا- برطانیہ کے شہر برمنگھم میں بھی دعوت اسلامی کا بہت بڑا ادارہ دیکھا- وہاں اجتماع بھی ہوا، جہاں ہزاروں لوگ ہری پگڑی میں ملبوس نظر آئے، یہ وہاں بھی بہت اچھا کام کر رہے ہیں-

میرا کئی ملکوں میں سفر ہوتا ہے- یہ دیکھ کر اطمینان قلب میسر ہوا کہ وہاں بھی دعوت اسلامی کام کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام لے رہا ہے- دعوت اسلامی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنے کے لیے جو کام کر رہی ہے، اس کے ہر کام سے میں متفق ہوں- ہم بند کمرے میں جو باتیں کرتے ہیں وہ عوام تک نہیں پہنچ پاتی- دعوت اسلامی (مدنی چینل) کے ذریعے یہ اچھی پیش رفت ہے-

(مدنی چینل پر انٹرویو کے اقتباسات)

دعوت اسلامی کی مخالفت کرنے والے اس کا بدل پیش کریں!

علامہ محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین: جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

میں اسے (دعوت اسلامی کو) مفید اور ضروری سمجھتا ہوں- اگر اس میں کچھ خامیاں ہوں تو اصلاح کی جائے- تحریک دعوت ہی کو مسترد نہ کیا جائے، جو لوگ انتہا پسندی کے ساتھ اس کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے سوال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا سیلاب جو ہماری اچھی اچھی آبادیوں کو نگلتا جارہا ہے اس پر بند باندھنے کا آپ نے کیا انتظام کیا؟ اس پر روک لگانے اور بھولے بھالے سنیوں کو بچانے کا آپ کے پاس کیا فارمولہ ہے اور کیا عمل ہے؟ مگر وہ اس کا کوئی جواب نہیں دیں گے اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا فرض صرف اپنوں کی مخالفت ہے، غیروں کے سیلاب سے قوم کا تحفظ کسی اور کی ذمہ داری ہے، جو شاید آسمان سے نازل ہوگا یا قیامت گزر جانے کے بعد پیدا ہوگا-

ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگرام بوجہ "حاجت شرعی" جائز ہے

مفتی محمد نظام الدین رضوی

صدر: دار الافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مدنی چینل کے جو دینی سلسلے براہ راست دکھائے جاتے ہیں وہ اگر جاندار کی تصویر کشی سے پاک ہیں جیسا کہ میوزک اور عورت سے پاک ہیں تو انہیں دیکھنا، دکھانا جائز ہے- اور جو دینی سلسلے ایسی تصویر کشی سے پاک نہیں انہیں دیکھنا، دکھانا ایک طبقۂ علما کے نزدیک ناجائز اور ایک طبقہ کے نزدیک جائز ہے- راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ اگر ٹی وی سے دینی سلسلے نشر کرنے کی شرعی حاجت متحقق ہو اور ان سے وہ حاجت پوری ہوتی بھی ہو تو صورت مستفسرہ میں اجازت ہوگی کہ حاجت کی وجہ سے اس طرح کے محظور مباح ہو جاتے ہیں-

اس کی تفصیل مختصراً یہ ہے: ٹی وی پر دینی پروگرام دیکھنا، دکھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس بارے میں علمائے اہل سنت کی تحقیقات مختلف ہیں- ایک طبقہ اسے ناجائز کہتا ہے، ان کی تحقیق میں ٹی وی پر نظر آنے والی تصاویر حقیقۃً تصاویر ہی ہیں اور جاندار کی تصویر بنانا، بنوانا ناجائز ہے- دوسرا طبقہ اس کی اجازت دیتا ہے- ان کی تحقیق میں ٹی وی پر تصویر کی طرح جو مناظر سامنے آتے ہیں وہ فی الواقع تصویر نہیں، بلکہ ریز (Rays) اور شعاعیں ہیں جو خاص طور پر یکجا ہو کر تصویر کی طرح نظر آتی ہیں- راقم الحروف کو اس سے اتفاق نہیں کہ وہ مناظر تصاویر نہیں کیوں کہ شارع علیہ السلام نے مجسمہ کے حرام ہونے کی جو علت بیان فرمائی ہے وہ شعاعی تصویر میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے جو حکم مجسمے کا ہے وہی حکم شعاعی تصویر کا بھی ہوگا- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شعاعی تصویر کی حرمت مجسمے اور دستی تصویر کی حرمت سے اخف اور کم ہو کہ دستی تصویر اور مجسمے کی حرمت منصوص ہے اور شعاعی تصویر کی حرمت غیر منصوص، ساتھ ہی مختلف فیہ بھی ہے- مگر ناجائز ضرور ہے، پھر وقفہ وقفہ سے دینی امور کے درمیان فحش اور ناجائز مناظر کی نمائش الگ وجہ

حرمت ہے- اس لیے عام حالات میں ٹی وی دیکھنے، دکھانے کی اجازت نہیں ہو سکتی- ہاں! اگر ٹی وی پر نشر ہونے والے تمام امور خالص دینی ہوں اور انہیں نشر کرنے کی حاجت بھی ہو، ساتھ ہی فحش مناظر اور ممنوعات سے پاک ہوں تو انہیں ٹی وی پر دیکھنے دکھانے کی اجازت ہوگی-

حاجت سے مراد شرعی حاجت ہے- اس کا تحقق اس وقت ہوگا جب ٹی وی پر دینی امور نشر نہ کرنے کے باعث امت گمراہ ہو، دین و مذہب کا ضرر ہو اور دینی امور نشر کر دینے سے وہ ضرر دور ہو اور امت گمرہی سے محفوظ ہو- حاجت کا مطلب ہے کہ مجبوری کی وہ حالت جس میں فعل یا ترک فعل پر دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی کا تحفظ موقوف نہ ہو مگر اس کے بغیر مشقت اور حرج و ضرر کا سامنا کرنا پڑے، جیسے رہنے کا مکان روشنی کے لیے چراغ، اہل علم کے لیے دینی کتابیں، دین کے لیے عقائد ظنیہ کی تعلیم جن کا مخالف گمراہ، گمراہ گر، بدعتی اور عند الفقہا کا فر تک ہوتا ہے فرائض کفایہ، فرائض عملیہ اور واجبات کی تعلیم وغیرہ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''شک نہیں کہ ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگر چہ صرف چہرہ کی ہو...... اور جن کا کھینچنا حرام ہے کھنچوانا بھی حرام ہے مگر مواضع ضرورت مستثنیٰ رہتے ہیں- الضرورات تبیح المحظورات اور حرج بین و ضرر و مشقت شدیدہ کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے- ماجعل علیکم فی الدین من حرج- لا ضرر و لا ضرار- یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر- (اس آیت کا دائرہ ضرورت سے وسیع تر ہے- جلی النص) تصویر کھنچوانے ... معصیت، بوجہ اعانت معصیت ہے، پھر اگر بخوشی ہو تو بلاشبہ خود کھینچنے ہی کی مثل ہے، یوں ہی اگر اسے کھنچوانا مقصود نہیں، بلکہ دوسرا مقصد مباح مثلاً کوئی جائز سفر (مقصود ہے) مگر قانوناً تصویر دینی ہوگی تو اگر وہ مقصد ضرورت و حاجت صحیحہ موجب حرام و ضرر و مشقت شدیدہ تک نہ پہنچا جب بھی ناجائز کہ منفعت کے لیے ناجائز جائز نہیں ہو سکتا- اور اگر یہ حالت (ضرورت یا حاجت صحیحہ کی پائی جاتی) ہے تو یہ اپنے اوپر سے دفع حرج و ضرر کا قاصد ہونے کے سبب ''لا تزر و ازرۃ وزر اخریٰ'' کا فائدہ پاتا ہے-'' (فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۱۹۷)

''حرج بین اور ضرر و مشقت شدیدہ'' حاجت کی ہی دوسری تعبیر ہے اور اس کے بعد والی عبارت میں ''موجب ضرر و مشقت شدیدہ'' اسی حاجت کی صفت- اس طرح اس اقتباس سے کئی اہم فائدے حاصل ہوئے:

۱- تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے کہ یہ خود معصیت ہے-

۲- تصویر بخوشی کھنچائے تو یہ کھینچنے ہی کی مثل ہے-

۳- اور اگر یہ کھینچنا، کھچانا، بخوشی نہ ہو، بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے ہو اور وہ مجبوری درجۂ ضرورت یا حاجت میں ہو تو دفع حرج و ضرر کے قصد سے اس کی اجازت ہے-

۴- جسے مجبور کیا گیا اسے تو اجازت مل جائے گی مگر جس نے کسی کو ناجائز کام پر مجبور کیا وہ عند اللہ گنہ گار ہوگا- مثلاً کوئی عمرے کی قضا یا حج فرض کے لیے مکہ شریف جائے اور اسے بغیر فوٹو اجازت نہ ملے تو اسے تصویر کھنچانے کی اجازت ہے، مگر جن لوگوں نے بے ضرورت و حاجت تصویر کشی کو لازم کر کے لوگوں کو اس پر مجبور کیا وہ گنہ گار ہیں-

یہ تو مسئلہ تصویر کی مختصر تصویر کشی ہوئی، اب ٹی وی کی حاجت پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے-

یہ امر واقعہ ہے کہ آج زیادہ تر باطل فرقوں اور بدمذہبوں کے پاس اپنے ٹی وی چینل ہیں جن کے ذریعہ وہ دین و مذہب اور قرآن و حدیث کے نام پر گمراہانہ بلکہ کفری عقائد تک نشر کرتے ہیں، بالخصوص رافضیوں، قادیانیوں، وہابیوں اور دیوبندیوں کے اپنے اپنے چینل ہیں جو اسلام اور درس حدیث وغیرہ کے نام پر اپنے کفری عقائد اور باطل افکار و خیالات کا زہر ناواقف عوام کے اذہان و قلوب میں پیوست کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں- ظاہر ہے کہ اس سے بے شمار اذہان و قلوب متاثر ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں جن کا علاج فوری طور پر ضروری ہوتا ہے، مگر ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ اولاً ہمیں ان بدمذہبوں کی خرافات اور سازشوں کا علم نہیں- ثانیاً علم بھی ہو تو معاذ اللہ، استغفر اللہ پڑھ کر خاموش ہو رہے- یا اس کے بارے میں کوئی سوال آ گیا تو اس کا جواب لکھ دیا جو معدودے چند نظروں تک پہنچا یا زیادہ سے زیادہ کوئی مضمون لکھ دیا جو اگر کہیں شائع ہو گیا تو ہزار پانچ سو افراد نے پڑھ لیا یا کسی جلسے میں اس کے خلاف تقریر کر دی جو ہزار دو ہزار لوگوں نے سن لی- ظاہر ہے ہماری یہ کوششیں بہت محدود ہیں، جن

سے ایک عام اور متعدی وبا کے تباہ کن، دور رس اور دیرپا اثرات سے عامۂ امت کو نہیں بچایا جا سکتا، اس لیے مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ اور سچے اسلامی عقائد و تعلیمات سے دنیا کو روشناس کرانے نیز کتاب و سنت کا صحیح مفہوم ان تک پہنچانے کے لیے آج ہم اہل سنت و جماعت کو ٹی وی چینل کی حاجت ہے، مگر اس حاجت کے باوجود ٹی وی دیکھنے، دکھانے کی اجازت درج ذیل شرائط کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے:

۱- مزامیر یا میوزک کا استعمال ہرگز نہ ہو۔

۲- میوزک نما ذکر بھی نہ ہو۔

۳- (الف) عقائد قطعیہ وظنیہ اور فرائض عین و فرائض کفایہ اور واجبات و سنن ہدیٰ کا درس واضح دلائل کے ساتھ ہو۔

(ب) سواد اعظم اور ضروریات دین کی تفہیم کے ساتھ اسلام کی مقدس شخصیات کے تعارف اور ان کے عقائد کا سلسلہ بھی چلایا جائے۔

(ج) اہل باطل کی نشری حرکتوں سے پوری آگاہی اور پوری خبر گیری ہو۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات پر جس نہج سے بھی اہل باطل حملہ کرتے ہیں، فوراً فوراً اس کا مکمل دفاع عقل و نقل کی روشنی میں کیا جائے۔

غرض یہ کہ جس حاجت شرعی کی وجہ سے اجازت کا دروازہ کھلا ہے اس کے تقاضے پورے کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور بہر حال اپنی نمائش، نام و نمود آپسی مقابلے اور فخر و مباہات سے مکمل اجتناب ہو کہ اس کے لیے کوئی محظور مباح نہیں ہوتا اور مساجد میں ٹی وی دیکھنے، دکھانے کا اہتمام بالکل نہ ہو کہ اس سے بسا اوقات مساجد کی حرمت پامال ہو سکتی ہے اور کبھی لوگوں کے ذکر و تلاوت اور نمازوں میں خلل بھی واقع ہو سکتا ہے، یوں بھی یہ عوام مسلمین کی وحشت کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا الیاس قادری پر بہتان طرازی کی گئی

قاضی عبدالرحیم بستوی

مفتی: رضوی دارالافتاء، محلہ سوداگران، بریلی

انجینئر سعید حسن نے مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی جانب جو تحریر منسوب کی تھی اور وہ ثابت نہ کر سکے اور تحریر (علماء مقدس پتھر ہیں...) جعلی ثابت ہوئی تھی، اس لیے انجینئر سعید حسن کو توبہ کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ جواب بالکل درست ہے اور جس تحریر (علماء مقدس پتھر ہیں... وغیرہ) کی نسبت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کی جانب کی گئی ہے، وہ جعلی و غلط ہے اور ایسے لوگ لائق تحسین نہیں ہیں جو مسلمانوں کے درمیان افتراق و اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ ماہ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ صفحہ ۲۰، ۲۱ میں جو مضمون اس کے متعلق چھپا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

دعوت اسلامی کی مخالفت تبلیغی جماعت کا تعاون ہے

مولانا فیض احمد اویسی

شارح حدائق بخشش و مصنف و مترجم کتب کثیرہ (پاکستان)

ہند سے شائع شدہ کتابچہ "دعوت اسلامی کے قدم وہابیت کی جانب کیوں؟" کسی نے مجھے دکھایا۔ امیر اہل سنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کی سنیت کے متعلق جھوٹے الزامات پڑھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ دعوت اسلامی کے طریقۂ کار پر کسی کو جزوی تو اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اس الیاس قادری کی سنیت پر شک کرنا جس نے بے شمار تبلیغیوں، دیوبندیوں، رافضیوں اور قادیانیوں کو بعونہ تعالیٰ سنی بنایا، جس نے گھر گھر کنزالایمان شریف داخل کر دیا، جس کا کوئی بیان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ذکر خیر سے خالی نہیں ہوتا، سخت زیادتی اور شرانگیزی ہے۔ الحمدللہ عزوجل دعوت اسلامی کا پیغام اس وقت دنیا کے کم و بیش 50 ممالک میں پہنچ چکا ہے۔ جگہ بہ جگہ سے تبلیغی جماعت والے اپنے بستر لپیٹ کر فرار ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ بے شمار مسجدیں جو دیوبندیوں کے قبضے میں چلی گئی تھیں ایک بار پھر سنیوں کے پاس آ رہی ہیں۔ ایسے میں دعوت اسلامی کی مخالفت کرنا نادانستہ طور پر تبلیغی جماعت کو تقویت پہنچاتے ہوئے خود اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہے۔

مسلمان دعوت اسلامی کے مخالف شر پسندوں سے ہوشیار رہیں!

مولانا شمس الھدیٰ مصباحی
استاد: جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

''دعوت اسلامی کے قدم وہابیت کی جانب کیوں؟'' نامی کتابچہ میری نظر سے گزرا جس سے مجھے بالکل ہی کچھ حیرت نہ ہوئی کیوں کہ اس طرح کی بے سرو پیر کی افواہیں بہت سنی اور دیکھی ہیں، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، لہٰذا عوام وخواص اہل سنت وجماعت اس طرح کی تخریبی اور مسلک مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیرازہ منتشر کرنے والی بیہودہ تحریر پر قطعی کان نہ دھریں اور اسے ردی کی ٹوکری میں رکھ دیں۔ مرشدی الاعظم المفتی الاعظم رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کا کرم کہ اسی دن دیوانہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد الیاس قادری دام ظلہ سے فون پر میری تفصیلی بات ہوئی تو مذکورہ کتابچہ میں ان کی تحریر کی فوٹو کاپی جوڑ دی گئی ہے، اس سے متعلق میں نے بس اطمینان خاطر کے لیے دریافت کیا تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت وہ قطعی قطعی میری تحریر نہیں ہے۔ نیز اس کذب بیانی اور دروغ بافی پر کئی قرائن بھی ہیں۔ ماضی قریب میں سرکار ازہری میاں قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور حضرت محدث کبیر قبلہ سے جب مولانا کے متعلق میں نے ان کے خیالات معلوم کیے تو فرمایا محمد الیاس قادری کو میں رات کے اندھیرے میں بھی سنی صحیح العقیدہ جانتا ہوں۔ لہٰذا تخریبی مزاج افراد سے عرض ہے کہ مسلک حق کی تعمیر کا کام کریں۔ یہ سب چکر اور فضول خرچی سے جماعت کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ہاں کوئی خامی دیکھیں تو اس کی اصلاح فرمائیں۔

دعوت اسلامی اہل سنت وجماعت کی عالمی تحریک ہے

مولانا مبارک حسین مصباحی
مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

دعوت اسلامی اہل سنت وجماعت کی عالمی تحریک ہے۔ دعوت اسلامی کا فیضان اس وقت دنیا کے بیشتر ممالک میں ابر باراں کی طرح برس رہا ہے۔ جو لوگ اس کے قریب آ رہے ہیں، ان کا دامن دعوت اسلامی کے فیضان سے مالا مال ہو رہا ہے۔ ہزاروں لوگ جو گناہوں میں مبتلا تھے اور اسلام سے بہت دور تھے بے عملی اور بدعملی کے شکار تھے، میں نے خود محسوس کیا کہ دعوت وتبلیغ سے وہ اسلام کے قریب آئے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قریب آئے۔ دعوت اسلامی کا فروغ دراصل اہل سنت وجماعت کا فروغ ہے۔ جس طرح علمی دنیا میں حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ الجامعۃ الاشرفیہ نے علمائے کرام وفضلاء کو فارغ کیا اور آج وہ عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ وتدریس اور تصنیف کا کام کر رہے ہیں، اسی طرح جو افراد دعوت اسلامی سے وابستہ ہوئے وہ مبلغین بھی آج عالمی سطح پر اسلام وسنیت کا بے پناہ کام کر رہے ہیں۔ آج سے ہی نہیں بلکہ جس روز سے دعوت اسلامی قائم ہوئی ہے۔

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے قیام میں بنیادی کردار قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید اور الجامعۃ الاشرفیہ کے قابل فخر فرزند ہیں۔ ہم دعوت اسلامی کو کسی اور کی تحریک نہیں بلکہ الجامعۃ الاشرفیہ اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تحریک تصور کرتے ہیں۔ مولانا الیاس قادری کے تعلق سے ہم نے معلوم کیا، وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک ہیں۔ اللہ عزوجل نے ان کے دل کو عشق رسول کا مدینہ بنا دیا ہے۔ وہ خود بھی پیاری پیاری سنتوں کے عامل ہیں اور ان کے کردار وعمل کی برکت پوری دنیا میں محسوس کی جا رہی ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ ان کے دامن سے وابستہ ہیں اور وہ اپنے اخلاص ومحبت کے ساتھ دعوت اسلامی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتوں کو دل میں بوئے گل کی طرح اتار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آج جہان سنیت میں دعوت اسلامی کے فیضان کو جاری وساری رکھے۔ ہم فرزندان اشرفیہ وعوام اہل سنت سے عرض کرتے ہیں کہ وہ جہاں بھی ہوں دعوت اسلامی کا تعاون کرتے رہیں، کیوں کہ یہ تحریک تبلیغ کے میدان میں اہل سنت کے فروغ میں بڑی بنیادی ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت اسلامی کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور حضرت مولانا الیاس قادری کا سایہ کرم جماعت اہل سنت کے سروں پر دراز فرمائے۔

آج مولانا الیاس قادری اور دعوت اسلامی نے تبلیغی تقاضے کے پیش نظر جو مدنی چینل شروع کیا، اس پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ اس کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنائیں بلکہ ہو سکے تو اتنا بڑا ہندوستان ہے، یہاں کے پروگرام بھی زیادہ سے زیادہ آنے چاہئیں۔ اس طرح اہل ہند کی توجہ اور زیادہ بڑھے گی۔ میں اس سے زیادہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ دوسرے چینل پر فلمیں، گانے اور اس طرح کی خرافات دیکھنے کی بجائے اپنے بچوں کو مدنی چینل کھول کر دکھایا جائے اور جو لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں، میں انہیں مجبور نہیں کرتا۔ وہ لوگ بھی اپنی جگہ حق پر ہیں، میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ جزاک اللہ خیرا

مدنی چینل تاریکیوں کے خلاف ایک چراغ ہے

مفتی بدر عالم مصباحی

استاد و مفتی: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مدنی چینل کے بارے میں تو بہت پہلے سے میں سوچتا تھا۔ میں اپنی مجلسوں میں انفرادی طور پر ان اسلامی مبلغین سے کہتا رہا کہ بھائی میرا اپنا جو نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے حالات میں حاجت کا تحقق ہو چکا ہے۔ ایک حاجت جو ہماری فقہی اصطلاح ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو بہت سارے لوگوں کے دین و ایمان، عزت و ناموس دشواریوں اور خطرے میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو میں نے محسوس کیا کہ اتنے چینل آرہے ہیں اور بہت سے چینل بنام اسلام آرہے ہیں اور ٹوپی کرتا پاجامہ میں آرہے ہیں اور اسلامی بات بتا رہے ہیں تو ہمارے بھولے بھالے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی نمائندہ ہیں۔ ہم صرف اندھیرے کو کوستے رہتے ہیں کہ اندھیرے بہت خراب ہیں، اندھیرے بہت خراب ہیں۔ جب تک اندھیرے کے خلاف چراغ نہیں جلایا جائے گا تب تک اندھیرے کا ویلو برقرار رہے گا۔ اندھیرے کے ویلو کو برقرار رکھنا ہے تو چراغ مت جلایئے، لیکن اگر اندھیرے کو ختم کرنا ہے تو چراغ جلانا ہی پڑے گا اس لیے میں نے محسوس کیا اور بہت دنوں سے محسوس کر رہا تھا مگر حالات کے پیش نظر جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ جرأت ہوئی میں نے مدنی چینل کے جواز کا فتویٰ ہی نہیں دیا، بلکہ میں نے ہر اس چینل کے جواز کا فتویٰ دیا اور دے رہا ہوں جو خرافات سے الگ ہو، چاہے وہ مدنی چینل ہو یا کوئی اور چینل، جیسے کی چینل ہو، بغدادی چینل ہو، اجمیری چینل ہو، عزیزی چینل ہو جس میں میوزک کا استعمال نہ ہو اور فحش باتیں نہ ہوں، جس میں مرد آئیں اور خاص طور سے اسلامی عقائد اور اسلام کے واجبات اور فرائض پر ضرور توجہ دی جائے۔ اس ضمن میں نعت ہے، مناقب ہیں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیان کیے جائیں، لیکن بنیادی طور پر عقائد ضرور بتائے جائیں کہ چینلوں پر جو آج کل غلط عقائد کی تشہیر ہو رہی ہے، جو اسلام کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے، اس کا پردہ چاک کیا جانا بہت ضروری ہے۔ اس لیے میں مدنی چینل والوں سے گزارش کروں گا کہ اپنی نمائش یا نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیجئے، مگر روزانہ عقائد کا ایک ڈوز دیجئے۔ روزانہ عقائد کیا ایک ڈوز دینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ برے عقائد کا جوز ہر گھولا جا رہا ہے، اس کا اتار ہونا بہت ضروری ہے۔

کچھ لمحے امیر دعوت اسلامی کے ساتھ

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ولی عہد: خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں (یوپی)

گزشتہ سال جولائی، اگست ۲۰۰۹ میں مولانا اسید الحق قادری بدایونی پاکستان کے ۱۵/روزہ دورے پر تھے، وہاں مشاہیر علما و مشائخ اور اہل قلم سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں، مدارس، دینی اداروں اور خانقاہوں کا دورہ کیا اور بعض تقریبات میں شرکت کی، ہماری درخواست پر اپنے اس دورہ کا مفصل احوال اپنے مخصوص شگفتہ، علمی، اور باوقار لب ولہجے میں طنز ومزاح کی چاشنی کے ساتھ "میں نے دیکھا پاکستان" کے عنوان سے قلم بند کیا ہے، اس طویل سفر نامے کا ایک حصہ اس شمارے میں شائع کیا جارہا ہے، یہ سفر نامہ آئندہ کبھی قسط وار جام نور کے صفحات پر شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

۲؍اگست: آج کے پروگرام میں دیگر مصروفیات کے علاوہ امیر دعوت اسلامی مولانا الیاس عطار قادری صاحب سے ملاقات بھی شامل تھی، ملاقات کا وقت بعد عصر طے کیا گیا تھا، ہمارے وہ اعزہ جو شادی کی تقریبات میں شرکت کے لیے امریکہ سے آئے ہوئے تھے وہ آج واپس جا رہے تھے، پروگرام یہ طے پایا تھا کہ ان کو الوداع کہنے میں شاہد بھائی کے گھر جاؤں گا اور وہیں مولانا محمد حسین عطاری اور مفتی شکیل صاحب وغیرہ آجائیں گے اور وہیں سے ہم لوگ امیر دعوت اسلامی کے دولت خانہ پر ملاقات کے لیے جائیں گے، کیوں کہ شاہد بھائی کے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر حضرت کا دولت خانہ تھا اور شاہد بھائی کے مکان کے بالکل سامنے والے مکان میں حضرت کے داماد مولانا محمد حسان عطاری صاحب رہتے ہیں، سہ پہر کے وقت اعزہ کا قافلہ ائیر پورٹ کے لیے روانہ ہوا، عصر کی نماز میں نے گھر پر ہی ادا کی، حسب وعدہ مولانا محمد حسین عطاری اور مفتی شکیل صاحب وغیرہ تشریف لائے، ان دونوں حضرات کا تعارف دعوت اسلامی کے عالمی مرکز ''مرکز فیضان مدینہ'' کے دورے کے ضمن میں ہو چکا ہے، ان کے ساتھ دعوت اسلامی کے چند علما اور بھی تھے، ہم لوگ پیدل ہی حضرت کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، بمشکل دو تین منٹ میں ہم امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا الیاس عطار قادری صاحب کے دولت کدے کے سامنے تھے، ان کا گھر دیکھ کر مجھے ایک جھٹکا سا لگا، میرے تصور میں یہ تھا کہ ایک عالمی تحریک جس کے لاکھوں وابستگان دنیا بھر میں پھیلے ہوں اس کے بانی اور سربراہ کا مکان کسی محل یا کم از کم کسی پرشکوہ کوٹھی کی نوعیت کا ہوگا مگر ایک غیر کشادہ گلی میں ایک متوسط قسم کے مکان کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ یہی امیر دعوت اسلامی کا مکان ہے، میں نے باہر سے اس مکان کا بغور جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ یہ مکان اس گلی کے باقی عام قسم کے مکانات ہی کی طرح ہے، اس میں آرائش و زیبائش کا ایسا کوئی سامان نہیں ہے جس کو دیکھ کر دنیاوی جاہ و حشمت کا اظہار ہوتا ہو، البتہ مکان کے باہر اسلحہ بردار محافظ ضرور موجود تھے اور مکان میں داخل ہونے والے ہر شخص کو میٹل ڈیٹکٹر کے ذریعے جامہ تلاشی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا تھا، پاکستان کے داخلی حالات کے پیش نظر یہ کوئی خاص بات نہیں ہے، بلکہ ایک مذہبی عالمی شخصیت کی حفاظت کے لیے یہ ایک واجبی انتظام ہے، مولانا کوکب نورانی صاحب سے ملاقات کے تذکرے میں ہم ان کے خوں خوار رائفل بردار محافظین کا ذکر کر چکے ہیں۔

دعوت اسلامی کے بہت سے وابستگان ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے اور ایک لائن کی شکل میں سب کو جامہ تلاشی کے مرحلے سے گزارا جا رہا تھا، یہ بات میری خانقاہی تربیت میں شامل ہے کہ جس خانقاہ یا ادارے میں جانا ہو تو وہاں کے اصول و ضوابط اور روایات و آداب کی پابندی کرنا چاہیے، لہٰذا اس جامہ تلاشی پر مجھے بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا کہ یہ حفاظتی نقطۂ نظر سے ایک لازمی اور مناسب قدم ہے، مگر مفتی شکیل صاحب نے مجھے ایک جانب کھڑے ہونے کو کہا اور جب باقی حضرات کی چیکنگ ہوگئی تو محافظین سے میرا تعارف کروا کر بغیر تلاشی کے اندر لے گئے، ایک دو کمروں سے گزرتے ہوئے ہم ایک ہال میں پہنچے، یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا، اس کی ایک جانب تقریباً تین یا چار فٹ اونچا ایک چبوترہ تھا، جس پر ایک کرسی پر امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا الیاس قادری صاحب اپنے مخصوص لباس سبز عمامہ اور کتھی دوشالہ زیب تن کیے ہوئے جلوہ افروز تھے، سامنے تقریباً تیس چالیس افراد ادب و احترام سے سر جھکائے بیٹھے تھے، سبھی کے سر پر سبز عمامہ تھا، حضرت کے ساتھ دو تین ننھے منے بچے سبز عمامہ باندھے ہوئے موجود تھے، یہ ہال بھی کسی دنیاوی آرائش و زیبائش سے بے نیاز تھا اور شاید اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس مکان کی رونق اور آرائش کے لیے سبز عماموں کا خوش نما منظر، مخصوص مدنی خوشبو اور سنتوں کا نور ہی کافی تھا، میں نے سلام عرض کیا اور ایک کونے میں بیٹھنے لگا، مفتی شکیل صاحب نے آگے بڑھ کر حضرت سے ہلکی آواز میں کچھ کہا، ان کی بات سن کر حضرت کے چہرے پر موجود تبسم کچھ گہرا ہو گیا، میری جانب ایک مشفقانہ نظر فرمائی اور منبر سے نیچے آکر میری طرف بڑھے میں بھی ان کی جانب بڑھا انہوں نے نہایت محبت سے معانقہ کیا میں نے دست بوسی کرنا چاہی، مگر انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا، اور پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

میری ایک اچھی یا بری عادت یہ ہے کہ میں ''پدرم سلطان بود'' کے نشے کا سرمست نہیں ہوں، کسی بھی مجلس میں اپنے آباو اجداد اور اپنی خاندانی نسبتوں کا ذکر کر کے اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہوں، ورنہ میرے باقی اکابر تو ایک طرف رہے پاکستان میں صرف مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی علیہ الرحمہ (صدر جمعیۃ علماے پاکستان) کی نسبت ہی ایسی ہے کہ اس کی بنیاد پر اپنا اچھا خاصا اعزاز و اکرام کروایا جا سکتا

ہے، مجھے ایسا لگا کہ مفتی شاہد صاحب وغیرہ نے اس حوالے سے پہلے ہی میرا تعارف حضرت سے کروا دیا ہوگا، مجھ جیسے کم ترین کا یہ اعزاز و اکرام شاید انہی نسبتوں کی وجہ سے تھا، اس کے بعد کا منظر دیکھ کر میرے اوپر حیرت کا ایک اور پہاڑ ٹوٹا، حضرت نے خیریت دریافت فرمائی اور فرمایا آیئے تشریف رکھیے اور وہیں عام لوگوں کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئے، یہ منظر شاید میرے علاوہ باقی حاضرین کے لیے بھی حیرت انگیز تھا، کیونکہ جیسے ہی حضرت زمین پر بیٹھے حاضرین نے ''سبحان اللہ!'' کا ایک پُر زور نعرہ بلند کیا، اس سادگی اور خوردہ نوازی کو دیکھ کر مَیں سوچنے لگا کہ یہ اسی جماعت کے امیر ہیں جس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ علما کو اہمیت نہیں دیتے، ممکن ہے بعض حضرات کے ساتھ ایسی کوئی صورت حال پیش آئی ہو مگر مَیں تو وہی بات کہوں گا جو مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے، بیٹھنے کے بعد حضرت نے محبت آمیز گفتگو شروع کی، کچھ خاص باتیں مَیں نے عرض کیں، حضرت نے ان کا تشفی آمیز جواب عنایت کیا- وہ عمامہ پوش ننھے منے بچے جو اسٹیج پر حضرت کے ساتھ تھے وہ بھی وہیں آ کر بیٹھ گئے، ان میں سے ایک بہت چھوٹا سا بچہ حضرت کی گود میں بیٹھ گیا اور آپ کی داڑھی سے کھیلنے لگا، میری چشم تصور میں وہ منظر گھوم گیا جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں ان کے پوتے (حضرت عبد اللہ ابن عمر کے صاحبزادے) بیٹھے ہوئے ان کی مبارک داڑھی سے کھیل رہے تھے، ایک صاحب جن کو حضرت عمر نے غالباً یمن کی گورنری کے لیے منتخب کیا تھا وہ تشریف لائے اور بچے کو دیکھ کر غصے سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ کون گستاخ بچہ ہے جو آپ کی داڑھی سے کھیل رہا ہے؟ آپ نے جواب دیا یہ میرا پوتا ہے- انہوں نے کہا کہ آپ نے ان کو اتنی چھوٹ دے رکھی ہے کہ یہ آپ کی داڑھی سے کھیلیں؟ میرے رعب کا تو یہ حال ہے کہ جیسے ہی مَیں گھر میں داخل ہوتا ہوں میرے بچے ڈر کی وجہ سے ایک کونے میں چھپ جاتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا ''یمن کی گورنری کا پروانہ واپس لاؤ، جو شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک نہیں کر سکتا وہ اللہ کے عام بندوں کے ساتھ کیا محبت و شفقت کا برتاؤ کرے گا''، یہ وہ حضرت عمر ہیں جن کی شوکت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے ایوان لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں، ''رحماء بینھم '' کی اس سے بہتر تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے- خیر ہم پھر لوٹ کر امیر دعوت اسلامی کی مجلس میں چلتے ہیں، جب بچے کی شوخیاں کچھ زیادہ ہی ہوئیں تو میں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ بچہ کون ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ''ہماری تحریک کے ایک بہت مخلص اور متحرک مبلغ تھے (حضرت نے نام بھی بتایا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا) ابھی کچھ روز پہلے ان کا انتقال ہو گیا، یہ ان کا یتیم بچہ ہے''- یتیموں کے سروں پر دست شفقت پھیرنے کی سنت کتابوں میں پڑھی تو بہت تھی، مگر اس سنت کا عملی انداز میں یہ نمونہ دیکھ کر فرط عقیدت سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے- میں نے عرض کیا کہ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، میں صرف زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا، مجھے کوئی نصیحت فرما دیں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ ''ماشاء اللہ آپ خود صاحب نسبت اور ہماری جماعت کے ایک عالم ہیں، مَیں آپ کو کیا نصیحت کروں بس آپ میرے لیے دعا کر دیجیے''- جب میں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''مَیں جام نور کی تحریک سے بھی واقف ہوں اور اس بات کو بھی جانتا ہوں کہ جام نور نے ہمیشہ تحریک دعوت اسلامی کی حمایت کی ہے اور آپ کے کاموں کی اطلاع بھی مجھے ملی ہے، میری نصیحت صرف اتنی ہے کہ ہماری جماعت میں پہلے ہی سے بہت سی دیواریں کھڑی ہیں، اگر ہم ان کو گرا نہیں سکتے تو کم از کم ان پر پل قائم کر دیں اور کوشش کریں کہ اب مزید نئی دیواریں قائم نہ ہوں''- (جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت کے الفاظ تقریباً یہی تھے، ممکن ہے ایک آدھ لفظ کی تبدیلی ہوگئی ہو مگر بہر حال مفہوم یہی تھا) اس کے بعد مَیں نے عرض کیا کہ حضرت میرے حق میں دعا فرما دیں کہ رب قدیر میرے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور مجھ ناکارہ سے بھی اپنے دین کی کوئی خدمت لے لے، حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور مختصر مگر جامع دعا فرمائی، پھر مَیں نے اجازت طلب کی، حضرت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک عمدہ قسم کی عطر کی شیشی نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ مدنی تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمالیں'' اور ساتھ ہی اپنی دو تین کتابیں بھی عطا فرمائیں- اسی کے ساتھ ہی حضرت اور تمام حاضرین کھڑے ہو گئے، میں بھی رخصت کے لیے الٹے قدم واپس ہوا، اس پندرہ منٹ کی ملاقات کا ایک عجیب و غریب روحانی کیف دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اور مَیں اس احساس کے ساتھ گھر سے باہر نکلا کہ

اک پل کو تری بزم میں ہم بیٹھ کے واعظ ۔۔۔ برسوں نہ رہے بزم خرابات کے قابل

□□□

مسائل اور الجھنیں

جام نور نے اپنے آٹھویں دور کے آغاز پر ایک نئے مستقل کالم **استفسار** کا آغاز کیا ہے- قارئین جام نور اس کالم میں دینی، علمی، فکری، ادبی، تعلیمی، سائنسی، سیاسی اور سماجی مسائل سے متعلق اپنے سوالات/ الجھنوں کا جواب/ حل حاصل کر سکتے ہیں- اس کے لیے قارئین اپنے سوالات مختصر لفظوں میں لکھ کر ادارے کے پتے پر ارسال کریں- (ادارہ)

کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی

سوال: آج ہمارے معاشرے میں چندہ نے ایک پیشہ کی شکل اختیار کر رکھا ہے -ففٹی، سکسٹی اور سیونٹی٪ کمیشن کی حرص میں چندہ کنندگان کے ذریعے بہتان بازی و الزام تراشی وغیرہ سے سماج میں افراتفری کا ایک عجیب ماحول بن چکا ہے- اولاً علماے کرام کی ترغیب سے زکوٰۃ، فطرہ و عشرہ وغیرہ سے متعلق لوگوں میں یہ عام رجحان پیدا ہوگیا ہے کہ اس کے اصل اور صحیح مصارف وہ مدارس عربیہ ہیں جہاں اعلیٰ تعلیم کا نظم ہو اور غریب و نادار طلبہ کے قیام و طعام کے لیے ہاسٹل و مطبخ کا انتظام ہو—پھر حیلہ شرعی کے ذریعے جملہ مدارس کے لیے جواز کی صورت پیدا کی گئی- اب تو حیلہ شرعی کے بہانے بے دریغ زکوٰۃ، فطرہ و عشرہ وغیرہ کو گاؤں کے مکتب، مسجد اکیڈمی و انجمن ہال کی تعمیر، عرس، قوالی، مشاعرہ، جلسہ و سماجی فنکشن کا انعقاد، خانگی معلم کی تنخواہ، اپنے دروازے پر نل، ٹیوشن و دیگر ایجوکیشنل فیس اور اپنی اولاد کی تعلیمی ضروریات وغیرہ پر خرچ کرنے کا چلن بڑی تیزی سے چل پڑا ہے—دینی و ملی ضرورتوں کے لیے مالی فراہمی کی اہمیت و تملیک فقیر کے بعد اباحت مال سے کسے انکار ہو سکتا ہے مگر آج جو صورت حال ہے کیا یہ سب روح ایمانی، درس قرآنی، تعلیم اسلامی و مزاج شرعی کے عین مطابق ہے؟

محمد رونق القادری مصباحی، چیف مرکزی کمیٹی ڈومریا، گیا (بہار)

جواب: -کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی بڑا حساس معاملہ ہے اور اس سے بھی بڑا حساس معاملہ اس کے پیدا ہونے کا سبب ہے- بدلتے حالات میں اخلاص وللّٰہیت، ایمان داری و دیانت داری اور صبر و قناعت کی کمی کے ساتھ اس کا ایک بڑا سبب ہے اس گرانی کے دور میں علما و ائمہ کی کم تنخواہوں پر گزر بسر کرنے کی مجبوری- وہ مخلصین جو دین کی سرخروئی، خوف خدا اور امانت و دیانت کے لحاظ میں اس تنگ دستی کی زندگی میں صبر کر جاتے ہیں وہ کر جاتے ہیں اور جو بندگان خدا فقر و فاقہ کی اس مار سے عاجز آجاتے ہیں پھر وہ شرعی معاملات میں نئے نئے طریقے ایجاد کر لیتے ہیں جن سے ان کی تنگ دستی دور ہو جاتی ہے اور پیسوں کی فراوانی شروع ہو جاتی ہے- کمیشن پر صدقات و زکوٰۃ کی وصولی انھی نئے طریقوں میں سے ایک ہے- بعض مفتیان کرام کا اس سلسلے میں یہ فتویٰ بھی آچکا ہے کہ "حاجت شرعی" اور "تعامل" کے تحقق کی وجہ سے صدقات پر کمیشن جائز ہے- ہم اس فتوے کو چیلنج نہیں کر سکتے ہاں! اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ارباب حل و عقد کو مل بیٹھ کر اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے کہ جدید پرفتن اور ایمان سوز گرانی کے دور میں علمائے کرام اور ائمہ مساجد کے مالی استحکام کے وہ کیا طریقے ہو سکتے ہیں جن پر چل کر ان کو ایمان سوز اور صبر آزما زندگی سے باہر لایا جائے، تاکہ کم سے کم اتنا ہو کہ جو مخلص علمائے کرام ہیں وہ اپنے دل میں پیدا ہو رہی بے امانتی، بددیانتی اور لوٹ کھسوٹ کے خطرات سے محفوظ رہ سکیں-

ادھر گزشتہ کچھ سالوں سے کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی اور قیام مدارس کا جو لامتناہی سلسلہ شروع ہوا ہے وہ بہت ہی دل آزار ہے- کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی سے اخلاص کی دولت مفقود ہوتی جا رہی ہے- اہل ثروت کی نگاہوں میں مدارس کھولنے اور چلانے والوں کی حیثیت تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے- ان کی شناخت دینی خدام کی بجائے دین کے نام

پر تجارت کرنے والوں کی حیثیت سے بنتی جارہی ہے- دوسری طرف جعلی رسید اور لیٹر پیڈ چھپوا کر مدارس کے چندے کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے- ہم ایسے افراد سے واقف ہیں جو لیٹر پیڈ چھپوا کر، کسی بڑے عالم سے تصدیق کرا کر چندہ وصولی کے مشغلے میں ہمہ تن مصروف ہیں- ان باتوں کے ذکر سے ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ "حاجت" اور "تعامل" کے اصول سے ممنوعات کو مباح کرنے کے ساتھ اس پہلو پر بھی غور کیا جانا چاہیے کہ مفاسد کے دروازے کیسے بند کیے جائیں- ہمارے خیال میں علما وائمہ کوئی آسمان سے نازل ہونے والی الگ مخلوق نہیں- وہ بھی ہمارے اسی معاشرے کے افراد ہیں- اس لیے جس طرح مسلم معاشرے کے دیگر طبقات کا مالی استحکام ضروری ہے، اسی طرح علماء وائمہ کا مالی استحکام بھی بے حد ضروری ہے- اس سمت میں گہرائی سے سوچنے اور زبردست پیش رفت کی ضرورت ہے- علماء کا معاشی استحکام "قیام مدارس اور تحصیل صدقات" کے باب میں پیدا ہونے والی بے شمار برائیوں کا حل بن سکتا ہے-

مذہب کے لیے یہ صورت حال کیسی ہے؟

سوال: جدید تعلیم گاہوں اور جدید شہری ماحول میں اکثر ایسے لوگوں سے سامنا ہوتا ہے جو عقائد اہل سنت پر قائم ہیں- ان کے اعمال بھی اطمینان بخش ہیں مگر وہ گمراہوں کے عقائد سے واقف نہیں ہیں- ایسے لوگوں سے کیا معاملہ کیا جائے؟

محمد اشتیاق، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-۲۵

جواب: شہروں میں آج تین طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں- ایک وہ جن کے سینوں میں گمراہی رچ بس گئی ہے اور وہ عقائد و اعمال سے بے نیازی پر نازاں ہیں- دوسرے وہ جو عقائد اہل سنت پر سختی سے عامل ہیں اور ان کے اعمال بھی بہتر ہیں- تیسرے وہ جن کے اعمال تو درست ہیں، عقائد بھی بنیادی طور پر اہل سنت و جماعت کے ہیں البتہ وہ علمائے اہل سنت اور غیر اہل سنت میں تمیز نہیں کر پاتے- وہ سب کی محفلوں میں جاتے ہیں، سب کی باتیں سنتے ہیں اور بقول ان کے جہاں بھی اچھی بات ملتی ہے، اسے وہ لے لیتے ہیں-

ایک داعی کو ہر انسان کی دنیوی واخروی فلاح کے لیے فکر مند ہونا چاہیے- اس کے اندر یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ وہ انسانیت کو جنت کی طرف بلائے اور جو لوگ اپنے عقیدے اور عمل سے جہنم کی طرف جارہے ہوں ان کی فکری وعملی اصلاح کر کے ان کو جہنم سے روکے، کیوں کہ دین مکمل خیر خواہی کا نام ہے اور بندوں کے حق میں سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں خیر کی طرف بلایا جائے اور شر سے بچایا جائے-

داعی حق کو کسی کی ہدایت وعبرت پذیری سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، حتی کہ وہ لوگ جو اپنی بدعقیدگی اور بدعملی پر نازاں ہیں، موقع ملنے پر ان کے ساتھ بھی اخلاق نبوی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان کے سامنے بھی کچھ ایسی باتیں کی جائیں کہ وہ غور وفکر کرنے پر مجبور ہوں- قرآن کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ وہ جابجا منکرین وجاحدین اور کفار وفساق کو دعوت فکر وعمل دیتا ہے- اگر ہم قرآن کے متبع ہیں تو اس انداز دعوت سے کیسے غافل رہ سکتے ہیں؟

شہری زندگی میں جو لوگ عقائد اہل سنت پر سختی سے قائم ہیں، کوشش کی جائے کہ ان کے اندر واجبات وفرائض پر بھی سختی سے عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے- ورنہ بالعموم دیکھا یہ جاتا ہے کہ عقائد اہل سنت پر عامل احباب کو نجات وبخشش کا پروانہ دے کر اور شفاعت مصطفیٰ پر تقریریں کر کے انہیں بے عملی پر دلیر بنا دیا جاتا ہے- یہ بہت ہی افسوس ناک پہلو ہے- مقام مسرت یہ ہے کہ دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی اس نہج پر کام کر رہی ہیں- عقائد کی درستگی کے ساتھ اعمال کی اصلاح پر ان کا بھرپور زور ہے-

شہری زندگی بہت ہی آزادانہ زندگی ہے، جہاں بہت زیادہ حکمت ودانائی کی ضرورت ہے- یہاں تنفیر نہیں تبشیر ضروری ہے، اگر ذرا بھی حکمت وتدبر کو نظر انداز کیا گیا آزاد طبیعتیں بدک کر دوسرے خیموں میں جا بسیں گی- ایسے میں اگر ہمیں ان کی واقعی فلاح ونجات عزیز ہے تو ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ وہ کسی حال میں بھی ہم سے نہ کٹیں- اپنے افکار، کردار اور اعمال سے انہیں مسلسل متاثر کرنا ہوگا اور اصولی وفروعی عقائد جو ان کے دماغ میں اب تک جاگزیں نہیں ہوئے ہیں انہیں جاگزیں کرنا ہوگا- پھر رفتہ رفتہ وہ خود "دین اللہ" میں مکمل طور پر داخل ہو جائیں گے، اس کے بعد ہی اعتقادی اختلافات کی تہوں تک انہیں پہنچایا جائے- شہری زندگی میں تیسری قسم کے لوگوں کے ساتھ بھی رویہ قرین حکمت وفراست ہے-

□□□

نواسۂ حضرت محدث اعظم ہند

محترم مولانا سید محمد قاسم اشرف کچھوچھوی سے ملاقات

سلطان التارکین حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی اور سادات کچھوچھہ کا علمی، دینی اور روحانی فیضان صدیوں سے ہندوستان اور اس کے باہر کی دنیا پر موسلا دھار بارش کی طرح برستا رہا ہے- آج اس خانقاہ کی درجن بھر سے زائد شخصیات مختلف میدان عمل کے امیر وسربراہ کی حیثیت رکھتی ہیں- خصوصاً شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں علمیت اور خطابت کے استعارے کے طور پر جانے جاتے ہیں- حضرت مولانا سید محمد قاسم اشرف کچھوچھوی اسی خانوادۂ فضل وکمال سے تعلق رکھتے ہیں- موصوف محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی قدس سرہ کے حقیقی پرنواسے ہیں- آپ کی ولادت یکم رجولائی ۱۹۶۶ء کو کچھوچھہ مقدسہ میں ہوئی- دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے تحصیل علم کی- آپ کے اساتذہ میں مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی اور مفتی عبدالجلیل کے نام شامل ہیں- بقول آپ کے حضرت مخدوم اشرف نے آپ کے حصے میں اہل سیاست کو رکھا ہے- آپ کے عقیدت کیشوں میں بڑے بڑے ارباب سیاست ووزارت شامل ہیں جو آپ کے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں- ایسے دور میں جب کہ اہل سیاست کی بارگاہ میں علماء کی حاضری قبیح روایت کی شکل اختیار کرگئی ہے آپ کی بے نیازی اور معاملات کو دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوتی ہے- تعلیم، خانقاہ اور سیاست جیسے مسائل پر موصوف کا یہ تفصیلی انٹرویو یقین ہے کہ بنظر تحسین وآفرین پڑھا جائے گا ——— **خوشتر نورانی**

جام نور: -حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی تعلیمات جدید دور میں کس قدر بامعنی ہیں؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف: -حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکومت واقتدار کو چھوڑ کر روحانیت اور خدمت خلق کو گلے لگایا تھا- یہ دور ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہا ہے، حکومت وسیاست سے لے کر سائنسی تجربہ گاہوں اور علمی دانش کدوں تک ہر جگہ روحانی اضطراب کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے- ایسے میں ضروری ہوگیا ہے کہ علما اور صوفیہ کا ایک گروہ ایسا سامنے آئے جو اس پریشان ماحول میں روحانی تسکین کا سامان بہم پہنچا سکے، اگر ایسا ہوجاتا ہے تو یہ حضرت مخدوم سمناں کے مشن کا احیا بھی ہوگا، اسلام کی بہت بڑی خدمت بھی ہوگی اور جنگ، حیوانیت اور درندگی میں مصروف انسانوں کا روحانی اور دماغی علاج بھی-

جام نور: -ہندوستان کے تکثیری معاشرے میں دعوتی وتبلیغی عمل کو موثر کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف: -ہندوستان حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی سرزمین ہے، اس سرزمین پر باضابطہ منصوبہ بند طریقے پر اسلامی دعوت وتبلیغ کا آغاز انہی کی کوششوں سے ہوا- ہندوستان کا معاشرہ آج کی طرح اس وقت بھی تکثیری معاشرہ تھا، اس لیے موجودہ تکثیری معاشرے میں دعوت وتبلیغ کے لیے کسی نئے طریقے کی ضرورت بالکل نہیں ہے- آج بھی یہاں پر دعوت وتبلیغ کا مشن حضرت خواجہ کے کھینچے ہوئے خطوط پر ہی کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے- ہم ذرائع کی بات نہیں کررہے ہیں، کیوں کہ جدید وسائل وذرائع کا استعمال حضرت خواجہ کے مشن سے انحراف نہیں ہے، یہاں اصل چیز یہ کہ داعی کی سوچ اور اس کا کردار حضرت خواجہ غریب نواز کی سوچ وکردار سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور وہ کردار مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ دین اسلام پر سختی سے استقامت کے ساتھ اپنے مخاطب سے نہایت محبت اور نرمی سے ملا جائے-

ہندوستانی مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ یا تو غزنوی، غوری اور التمش کے ساتھ اپنا ذہنی رشتہ جوڑتے ہیں یا پھر اکبر اور دارا شکوہ کو اپنا آئیڈیل بناتے ہیں- پہلی صورت میں اسلام تشدد اور جنگ سے جڑ جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں الحاد اور صلح کلیت سے- اسلامی دعوت وتبلیغ اس سرزمین پر اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی جب تک مسلمان تحکمانہ مزاج اور معذرت خواہانہ طبیعت سے باہر نہیں آجاتے- ہمیں حضرت خواجہ غریب نواز اور دوسرے صوفیہ برحق کے نقش قدم پر چلنا چاہیے- ان کو آئیڈیل بنانا ہی دراصل اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے اور انہی کی پیروی سے آج دعوتی اور تبلیغی عمل کامیاب ہوسکتا ہے-

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز ہندوستان تشریف لائے وہ اسلام کی بالادستی کا دور نہیں تھا، اسلام ایک اجنبی مذہب تھا، لیکن اس کے باوجود کثرت سے لوگوں نے ان کی اور ان کے اصحاب کی دعوت پر اسلام قبول کیا، مگر دوسری جانب سے ان کی اس شدت سے مخالفت نہیں ہوئی اور نہ اسلام کو منظم طریقے سے برا بھلا کہا گیا جتنا کہ آج مسلمانوں کو مخالفت اور اسلام کو نفرت وعداوت کا سامنا ہے- آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت خواجہ نے اسلام اور بندگان خدا کے ساتھ مخلصانہ اور داعیانہ رویہ اختیار کیا- نہ اسلام کے نام پر نعرے لگائے اور نہ ہی مشرکین ہند کے خلاف تقریریں کیں، بلکہ نہایت دانش مندی، خلوص، محبت، حسن کردار، غم خواری وغم گساری، خدمت خلق اور حکمت کے ساتھ دلوں کو جیت لیا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مخاطب اگر اسلام قبول نہیں کر سکا تو کم از کم یہ ضرور ہوا کہ وہ اسلام کا دشمن اور بدخواہ نہیں بنا- آج ہم خواجہ صاحب کے اس طریقے کو بھلا چکے ہیں، نتیجہ یہ کہ اسلام کی تبلیغ تو نہیں ہو رہی ہے، ہاں! ہم اپنے گفتار و کردار سے لوگوں کو اسلام کا دشمن ضرور بنا رہے ہیں-

جام نور:- مشائخ طریقت کا موجودہ طریق کار کہاں تک اطمینان بخش ہے اور حالات کے پیش نظر انہیں اپنے طریق کار میں کس طرح کی تبدیلی لانی چاہیے؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:- مشائخ طریقت کا موجودہ طریق کار کلی طور پر اطمینان بخش نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ حالات کے مطابق اپنے طریق کار میں تبدیلی نہیں لا رہے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حالات کی رو میں بہہ کر اپنے اسلاف کی روش سے ہٹ گئے ہیں- مشائخ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کر کے دیکھیں کہ ان کی روش صوفیہ کے کردار سے کتنی ہم آہنگ ہے- صوفی اس دنیا میں رہتا ہے، اس دنیا کا نہیں رہتا-

جہاں تک مشائخ کے طریق کار میں تبدیلی کا سوال ہے تو میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ مشائخ ایک بار پھر خانقاہی نظام کے قیام واحیاء کی طرف متوجہ ہوں- خانقاہی نظام کا احیاء ہی معاشرے میں مشائخ کو ان کا صحیح مقام دلائے گا-

جام نور:- جماعت کے غیر ذمہ دار لوگوں کی بعض حرکتوں سے جماعت کا نقصان کس قدر ہو رہا ہے اور اس کے ازالے کی صورتیں کیا ہیں؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:- غیر ذمہ دار لوگوں کی حرکتیں ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں- آج بھی ایسے لوگوں کی حرکتیں اسلام، مسلمان اور مسلک وملت کے لیے آزار رساں ہوئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ جماعت کے ذمہ دار ہیں وہ مصلحت اور تحفظات کے نام پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کر کے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں- اپنے بعض بڑوں پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ کون شخص ان کے انعام کا مستحق ہے اور کون تنبیہ واصلاح کا-

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت کے ذمہ دار افراد جماعتی اور ملی نفع ونقصان کو صحیح طور سے سمجھیں- جماعتی اور ملی مفاد پر شخصی انا کو قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کریں جو افراد، ادارے اور تنظیمیں کسی طور پر جماعت کا کام کر رہے ہیں- اگر ان سے کوئی غلطی یا تساہلی ہوتی ہے تو ان کی حکیمانہ وہمدردانہ اصلاح کریں اور ان عناصر پر نظر رکھیں جو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنی ہی شخصیتوں اور تنظیموں کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتے ہیں- جب تک محدث اعظم ہند اور مفتی اعظم ہند جیسی شخصیتیں جماعت میں موجود رہیں اس طرح کے شر پسند عناصر کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں مل سکی- یہ وہ لوگ تھے جو مکتب، مشرب اور خطے سے اوپر اٹھ کر صرف مسلکی مفاد کے لیے کام کرتے تھے اور اس مفاد کے لیے جو بھی رکاوٹ بنتا تھا اس کی بروقت اصلاح فرماتے تھے- جماعت کے دوسرے افراد بھی اپنے ان بڑوں کی باتوں کا نوٹس لیتے تھے- بریلی اور مبارک پور میں جب بھی کوئی مسئلہ آتا تھا حضرت محدث اعظم ہند وہاں پہنچتے تھے اور مسئلے کا تصفیہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت مفتی اعظم ہند کی رائے کو جماعتی تنازعات میں فیصل کا درجہ حاصل تھا- یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند کے انتقال فرمانے پر سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ: ''ہمارے درمیان سے ایک ثالث اور حکم چلا گیا''- آج بھی جماعت کی بڑی شخصیات کو اسی طرح کا قائدانہ ومصلحانہ رول ادا کرنے کی ضرورت ہے-

جام نور:- ''فیورک'' کا مسئلہ زلف جاناں کی طرح دراز کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:-سابق صدر جمہوریہ ہند مسٹر عبدالکلام نے ۱۵ر اکتوبر ۲۰۰۳ء کو سورت گجرات میں گجرات فساد اور ملک کے فرقہ وارانہ ماحول کے بعد ایک مجلس منعقد کی، اس خصوصی اجلاس میں ملک کے مختلف مذاہب، اسلام، ہندو دھرم، بدھ دھرم، عیسائی دھرم، سکھ دھرم، جین دھرم کے رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی، اس اجلاس میں ڈاکٹر عبدالکلام نے ''سورت روحانی اعلامیہ'' Surat Spritual Declaration جاری کیا، جس کے نتیجے میں جون ۲۰۰۴ء کو نئی دہلی میں تنظیم کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام ''فاؤنڈیشن برائے وحدت ادیان اور روشن خیال شہریت'' جسے اختصاراً فیورک (Furec) کہا جاتا ہے-جس کے درج ذیل بنیادی مقاصد تھے: (۱) نظریۂ وحدت ادیان (۲) احترام ادیان باطلہ (۳) تسلیم ادیان باطلہ (۴) غیر اسلامی تہواروں کا انعقاد، اشتراک اور تعاون (۵) مذہبی تہواروں کا مشترکہ انعقاد (۶) مشترکہ لنگر (۷) مشترکہ مذہبی پراتھنا (۸) تمام مذاہب کے آفاقی قدروں کو فروغ دینا اور (۹) تصاویر، مجسموں یعنی پتھر کی مورتیوں وغیرہ کا میوزیم قائم کرنا، وغیرہ-

ایسی تنظیم میں جو لوگ جانے انجانے میں شامل ہو گئے تھے جب انھیں متنبہ کیا گیا اور ایسی تنظیم سے علماء و مفتیان کرام نے توبہ وعلیحدگی کا مطالبہ کیا تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ متعلقہ افراد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور اس سے اپنی براءت ظاہر کرتے، مگر کچھ لوگوں کے اکسانے پر وہ تاویل، توضیح اور جواب در جواب میں لگ گئے-ایسے میں اس مسئلے کو زلف جاناں کی طرح دراز ہونا تھا، وہی ہوا اور بظاہر آئندہ بھی اصلاح حال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی-

جام نور:-آپ کی نظر میں مذہب اور سیاست کا باہمی رشتہ کیا ہے؟ اور ارباب سیاست کے ساتھ اہل مذہب کی قربت کس حد تک درست ہے؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:-مذہب و سیاست کے تعلق سے اسلامی تصور اور مسیحی تصور میں بنیاد فرق ہے-مسیحیت کلیسا اور حکومت میں تقسیم کرتی ہے-وہ خدا کا حق خدا کو اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو دینے کا قائل ہے-اسلام کا معاملہ الگ ہے، اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، سیاست جس کا ایک حصہ ہے-اسلام میں سیاست مذہب سے الگ کوئی شئے نہیں-اسلام بیک وقت فرد اور سماج کی اصلاح وفلاح کا علم بردار ہے-اسلام میں انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کی اپنی حیثیت واہمیت ہے-اس لیے کبھی بھی اور کسی حال میں بھی مذہب وسیاست کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا-

رہا یہ سوال کہ اہل مذہب کا ارباب سیاست سے کس نوعیت کا تعلق ہونا چاہیے-تو اس کا طریقہ مختلف حالات میں مختلف ہوسکتا ہے-اسلام کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ حالات سے چشم پوشی کا قائل نہیں-فقہائے اسلام نے تو باضابطہ یہ اصول بنایا ہے کہ حالات کے بدلنے سے شریعت کا حکم بھی بدل جائے گا-

موجودہ حالات میں ہندوستان کی جمہوری اور سیکولر حکومت کے ساتھ ربط وتعلق کا معاملہ نہایت پیچیدہ ہے-ہمیں لگتا ہے کہ اس موضوع پر باتیں تو بہت ہوئی ہیں لیکن اس پر اب تک سنجیدہ غور وفکر نہیں ہو پایا ہے- بہت افسوس ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اب تک اس جمہوری ریاست میں اپنا موقف متعین ہی نہیں کیا ہے-اس حکومت میں ایک مسلمان کا رول کیا ہونا چاہیے یہ مسئلہ علماء کی توجہ کا طالب ہے-

سر دست میں یہاں یہ کہنا چاہوں گا کہ علماء کو کسی بھی حال میں سیاست کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ موجودہ سیاست کے ساتھ انھیں گہری واقفیت ہونی چاہیے-وہ جس ملک میں رہ رہے ہیں وہ ملک کن پالیسیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، اس کی قانونی، معاشرتی اور معاشی پیچیدگیاں کیا ہیں ان سے واقفیت کے بغیر نہ تو ہندوستان میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے، نہ ہی مسلمانوں کے بنیادی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی دین وشریعت اور ایمان واسلام کا تحفظ کیا جاسکتا ہے-یہ بات جس طرح قطعی اور یقینی ہے کہ ہندوستانی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے اسی طرح یہ بات بھی قطعی ویقینی ہے کہ اس حکومت میں مسلمانوں کا بھی رول ہے جس سے غافل رہنا صحت مند انداز فکر نہیں ہے-ہاں یہ بات میں ضرور کہوں گا کہ علماء کو سیاست کے چکر میں کبھی بھی اپنا وقار اور تقدس مجروح نہیں کرنا چاہیے-

جام نور:-آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ میں آج کل مذہب، مسلک، ملت اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے تعلق سے کیا کچھ ہو رہا ہے؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:-آستانہ

عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ہندوستان کے قدیم ترین روحانی، دینی اور تعلیمی مراکز میں سے ایک ہے-صدیوں سے علما نوازی، غربا پروری اور دین وسنت کی اشاعت اس خانقاہ کی پہچان رہی ہے-یہاں کے مشائخ نے جہاں عوام کی دست گیری اور روحانی تسکین کا سامان کیا ہے وہیں علم وفضل سے بھی ان کا گہرا رشتہ رہا ہے-آج بھی یہ آستانہ علمی، فکری، روحانی، دینی و دنیاوی وسائل سے مالا مال ہے-اس کے شہزادگان ومشائخ کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں ہر شخص اپنی صلاحیت ولیاقت کے لحاظ سے خدمت دین اور فلاح انسانیت کے کام میں مصروف ہے-اس وقت آستانے کی بڑی علمی شخصیت حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں صاحب کی زیر سرپرستی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ''محدث اعظم مشن'' نہایت بڑے پیمانے پر کام کر رہا ہے-جس کے تحت ہندوستان اور دیگر ممالک کے مختلف شہروں میں طلبہ وطالبات کے لیے بہت سے جونیر اور ہائر سیکنڈری اسکول، کالجز، I.T.I کالج، اشاعتی ادارے، دینی مدارس، تنظیمی تحریکی اور اشاعتی ادارے چل رہے ہیں-حضرت شیخ الاسلام پچھلے کئی سالوں سے علمی وتحقیقی کام کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی بہت سی علمی تصانیف کے علاوہ قرآن کریم کی ایک جامع تفسیر ''سید التفاسیر'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آچکی ہے اور تیسری جلد جلد ہی آنے والی ہے-شیخ اعظم مولانا سید اظہار اشرف صاحب کی زیر سرپرستی بھی ایک عظیم الشان ادارہ ''جامع اشرف'' کے علاوہ کئی مدارس، اسکول و کالجز اور ہاسپٹل چل رہے ہیں-اسی طرح خانقاہ اشرفیہ کے دیگر علما ومشائخ اپنے اپنے وسائل کے اعتبار سے کام انجام دے رہے ہیں-اس مختصر انٹرویو میں ان تمام کا احاطہ کرنا مشکل ہے-

جام نور:-جماعت اہل سنت میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے ممکنہ راستے کیا ہوسکتے ہیں؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف:-علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے کہیں لکھا ہے کہ موجودہ مسالک ومکاتب میں صرف وہ اہل سنت وجماعت ہیں جو پوری دنیا میں کروڑوں میں ہوتے ہوئے بھی نظریاتی اعتبار سے ان میں کوئی اختلاف یا دوری نہیں ہے، چودہ سو سالہ موروثی عقائد ومعمولات نے انہیں ذہنی طور پر ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے، لیکن بدقسمتی سے صرف اہل سنت وجماعت ہی وہ ہیں جن میں تنظیمی اشتراک واتحاد کا واضح تصور نہیں ہے-حضرت علامہ کی یہ بات بالکل سچ ہے-یقینی طور پر اعتقادی اور مسلکی یگانگت کے باوجود تنظیمی ذہنیت نہ ہونے کی وجہ سے اہل سنت وجماعت انتشار، بدنظمی اور بے سمتی کا شکار نظر آتے ہیں-ہمارے لوگوں میں جماعتی، ملی اور ملکی مسائل میں غور وخوض کی عادت نہ کے برابر پائی جاتی ہے-گزشتہ دو تین سالوں میں اس طرف بڑی تبدیلی آئی ہے خصوصاً شہزادگان مارہرہ حضرت امین ملت کی قیادت میں بڑی خوش آئند پیش رفت کر رہے ہیں-آزادی کے بعد میری معلومات کی حد تک پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ عرس کی مقدس تقریبات میں جماعتی وملی مسائل کے لیے علمائے اہل سنت اور دانشوران ملت کے اجتماع کی روایت شروع ہوئی ہے-''فکر وتدبیر کانفرنس'' نے صرف چند ملی مسائل کو ہی حل نہیں کیا ہے بلکہ اجتماعیت کا ایک واضح تصور دیا ہے-میرے خیال میں اتحاد اہل سنت کا موضوع اسی اجتماع میں اٹھایا جانا چاہیے، جب مارہرہ، بریلی، بدایوں اور کچھوچھہ کی اکابر ہستیاں اس موضوع پر غور وفکر کرنے کے لیے ایک ساتھ بیٹھ جائیں گی تو اس سے اتحاد اہل سنت کی مستحکم بنیاد پڑ جائے گی، پھر ان بنیادوں پر عمارت کی تعمیر میں تاخیر نہیں ہوگی-

جام نور:-کیا اقبال کی یہ بات درست ہے؟

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

حضرت سید محمد قاسم اشرف:-علامہ اقبال یقیناً حکیم الامت تھے، انھوں نے امت مرحومہ کے مسائل پر بہت غور وفکر کیا ہے-ان کی باتیں واقعی اس قابل ہیں کہ ان پر سنجیدہ غور وخوض کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ علامہ اقبال کے اندر انفعالیت ہے، وہ بہت جلد کسی چیز سے متاثر ہوجاتے ہیں اور اپنی بات کہہ جاتے ہیں-خانقاہوں کے حوالے سے جو بات انھوں نے اپنے مذکورہ مصرعے میں کہی ہے وہ بعض خانقاہوں کے ان کے اپنے مشاہدے کی روشنی میں یقیناً درست ہوسکتی ہے، لیکن کلی طور پر اس سے اتفاق کیا جانا مشکل ہے-یہ وہی اقبال ہیں جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کی مدحت سرائی میں آئے تو جوش عقیدت میں یہاں تک کہہ دیا کہ......ع

مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

جس طرح حضرت محبوب الٰہی کے لیے اس عقیدت سے اتفاق

نہیں کیا جاسکتا اسی طرح خانقاہوں پر اقبال کی اس تنقید سے بھی کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا ہے- سچائی یہ ہے کہ یہ دنیا اہل حق سے کبھی خالی نہیں رہی ہے- آج بھی سیکڑوں شمس تبریز موجود ہیں ،ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر مولانا روم جیسا سوز وگداز اور طلب تو پیدا کریں-

مگو ارباب دل رفتند وشہر عشق خالی شد
جہاں پر شمس تبریزی ست مردے شو چوں مولانا

جام نور :-ہم نے سنا ہے کہ آپ حضرات بین الاقوامی سطح پر ''محدث اعظم ہند کانفرنس'' کا انعقاد کرنے جارہے ہیں؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف :-جی! آپ نے صحیح سنا ہے- ہم ''محدث اعظم مشن'' کے زیر اہتمام حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کی صدارت میں فروری ۲۰۱۱ء میں گجرات کے اندر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کرنے جارہے ہیں ،جس کی تیاریاں شروع ہوچکی ہیں- اس کانفرنس میں برصغیر کے علماء، مشائخ اور دانشوران کے علاوہ یمن ،دبئی اور عراق کے علما و مشائخ بھی شرکت فرمارہے ہیں- اس میں پانچ لاکھ سے زائد عوام کی آمد یقینی ہے- اس کانفرنس کا مقصد حضرت محدث اعظم ہند کی دینی ،ملی ،جماعتی اور سیاسی خدمات کی تذکیر وتعارف کرانا ہے تاکہ لوگ جانیں کہ اہل سنت وجماعت میں کیسی کیسی عظیم شخصیتیں تھیں جنھوں نے برصغیر ہند وپاک میں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کی قیادت کی- ہمارے یہاں اگر اپنے اسلاف کا تذکرہ نہ کیا جائے تو لوگ بہت جلد انھیں فراموش کرجاتے ہیں ،جو جماعت کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لیے مناسب نہیں- امید کرتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کی جانب سے حضرت محدث اعظم ہند کی حیات وخدمات پر جام نور کا ایک وقیع اور علمی گوشہ بھی شائع ہوگا-

جام نور :-اخیر میں ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

حضرت سید محمد قاسم اشرف :-جام نور آٹھ سال پہلے منصۂ شہود پر آیا اور جماعت میں علمی، فکری اور صحافتی انقلاب برپا کیا- ذہن وفکر کے بند دریچے کھلے، حالات ومسائل پر غور و فکر کا سلسلہ شروع ہوا، سچ بولنے اور سچ سننے کی جرأت پیدا ہوئی- اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ جام نور کی سچائیوں نے اپنے قارئین اور مداحوں کا ایک بڑا گروپ پیدا کرلیا ہے- جام نور کو اپنا یہ مشن جاری رکھنا چاہیے، میری نیک خواہشات اس کے ساتھ ہیں- جہاں تک قارئین کو پیغام دینے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اب حالات یکسر تبدیل ہوچکے ہیں، اس لیے فراست مومنانہ یہ ہے کہ وہ بدلتے ہوئے زمانے کے مطابق اپنے کردار وعمل سے اسلام اور اپنی اچھی شبیہ پیش کریں، لوح وقلم سے اپنا رشتہ مضبوط کریں اور تعلیم کو اپنا مشن بنائیں، کیونکہ دینی وعصری تعلیم ہی ہماری کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے- □□□

بقیہ: اردو کا مستقبل
روزگار کے مسائل اور اُن کے حل کی تجاویز کے حوالے سے

معاشرے کے باقی پہلوؤں کی طرح زبان کا مسئلہ بھی معیشت سے جُڑا ہُوا ہے اور مستقبل میں یہ جُوت اور زیادہ پختہ ہوتی جائے گی- آئندہ انفرادی کوششوں کے ذریعہ شاید زبان کی خدمت نہ ہوسکے- اس کے لیے مشترکہ طور پر ایسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس میں حکومتی ادارے اپنا پُورا حصہ اور وسائل ڈالیں-

تہذیبی اور ثقافتی اداروں کو مضبوط کیا جائے- ترجمہ سے وابستہ نئے ادارے مختلف جامعات میں کھولے جائیں- نئے کورسز جیسے گریجویشن کی سطح پر بزنس اسٹڈیز اور فائنانس اور انفارمیشن ٹکنالوجی وغیرہ کے کورسز ڈیزائن کیے جائیں- جامعات سے فارغ التحصیل طلبہ و طالبات کے لیے لیکچر شپ کے علاوہ سینکڑوں نئی آبرومندانہ ملازمتوں کو تحصیل اردو سے وابستہ کیا جائے- بالخصوص انھیں اس بات کا احساس بھی دلایا جائے کہ اردو تعلیم کا مطلب صرف کالج اور اسکول میں استاد بننا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس وسیع ہوتی دنیا میں نئے مقامات اور منازل کی کوشش خود ہی کرنی ہے- اس وابستگی میں معاشی کشش کو نظر انداز نہ کیا جائے تاکہ زیادہ ذہین لوگ روزگار سے وابستگی میں اطمینان محسوس کرسکیں- اگر ہم اردو کی تعمیر وترقی کے لیے ایسا آبرومندانہ نظام وضع کرسکیں تو یہ اُردو کی خدمت بھی ہوگی اور اس وسیلے سے ہماری معاشرت ومعیشت میں اردو دوست حضرات کو ایک بہتر مقام اور اعتبار حاصل ہوگا- □□□

ڈاکٹر رابعہ سرفراز☆

اُردو کا مستقبل

روزگار کے مسائل اور اُن کے حل کی تجاویز کے حوالے سے

اگر امیر خسرو سے منسوب اردو شاعری کے ابتدائی نمونوں سے اردو زبان و ادب کی قدامت کا اندازہ لگائیں تو یہ بات بہ آسانی کہی جاسکتی ہے کہ اردو نے اب تک کم وبیش سات صدیوں کا سفر طے کر لیا ہے۔گزشتہ ڈھائی تین صدیوں سے تو اس زبان میں نثر اور نظم کی ان کتابوں کا سراغ بھی تسلسل سے نظر آتا ہے جو تحقیق اور وقت کی ہر کسوٹی پر پوری اترتی ہیں اور جو اردو زبان و ادب کا ایسا زندہ سرمایہ ہیں جن کی توثیق ہر آنے والے زمانے نے کی ہے۔

صدیوں پر محیط اس ارتقائی سفر میں اردو نے تخلیق، تنقید اور تحقیق سے لے کے اظہار و اسلوب اور تشریح و تفسیر کے حوالے سے باکمال خدمات انجام دی ہیں۔عہد بہ عہد معاشرے میں اس کی ضرورت و اہمیت بڑھی ہے۔برصغیر پاک و ہند میں رابطے کی زبانوں کے گراف میں اس کا کام، نام اور مقام اونچا ہے۔ابلاغیات کی موجودہ صورتحال میں اس خطے میں اردو کی اہمیت نہ صرف یہ کہ نمایاں ہے بلکہ اس میں ترقی روز افزوں ہے۔ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں سے لے کر اخبارات و رسائل کی اشاعت تک میں اس کا مکمل عمل دخل نمایاں اور موثر ہے۔پاکستان بھر میں خصوصاً رابطے کی زبان کے طور پر (Langua Franca) اردو ہی واحد زبان ہے جو متعدد جغرافیائی اکائیوں، علاقائی حوالوں، لسانی شناختوں اور مختلف تہذیبی وحدتوں کو ایک متحرک، زندہ اور روز افزوں نسبت میں پروئے ہوئے ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو کا یہ کردار اس کی اپنی قوت نمو اور داخلی قوت اور اہمیت کے اعتبار سے ہے۔سرکاری سطح پر اس کی وہ پذیرائی نہیں ہو رہی ہے جو اس کا آئینی اور جائز حق ہے تاہم اپنی لسانی خصوصیات، مزاج اور اہمیت کے سبب اسے (Langua Franca) کا درجہ حاصل ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی مبسوط اور ٹھوس منصوبہ بندی کے بغیر مستقبل میں اُردو اپنا یہ مقام قائم رکھ سکے گی؟ واضح رہے کہ Langua Franca کی بھی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ایک عمومی حیثیت جس میں عوام الناس اسے بول چال میں برتتے ہیں۔لب و لہجہ کے فرق اور غلط سلط تلفظ کے ساتھ ہی سہی اس زبان کے خدوخال اور خارجی چہرہ کسی نہ کسی طور برقرار رہتا ہے۔تعلیمی اداروں کی سرپرستی اور سرکار دربار کی توجہ اور تعاون کے بغیر یہ اپنا کام جاری رکھتی ہے۔معاشرے میں اس کا عمل دخل برقرار رہتا ہے۔اس کی دوسری حیثیت اس زبان سے خاص نسبت رکھنے والے اہل علم کی ہوتی ہے جو اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق و تنقید کرتے ہیں۔اس کی جڑوں سے لے کے اس کے امکانات تک پھیلے ہوئے معاملات و مسائل پر غور و خوض کرتے رہتے ہیں۔اس کے تلفظ، قواعد و اسالیب کو زیر بحث لاکر اس کی تہذیب کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔یہ خاص طبقہ جو کسی زبان کی جداگانہ شناخت اور ترقی کا باعث ہوتا ہے اس زبان کے اہلِ دانش ہوتے ہیں۔گزشتہ صدی میں اردو کے حوالے سے یہ فریضہ زیادہ تر اساتذہ نے نبھایا۔ول ڈیوراں کا کہنا ہے کہ استادوں (Educationists) کو یہ (Credit) تو بہر حال جاتا ہے کہ انھوں نے ہر زمانے میں کسی نہ کسی طور علم کو زندہ اور اس کی ترسیل کو بحال رکھا۔اردو کی حد تک یہ بات بہت درست معلوم ہوتی ہے۔گزشتہ صدی میں سینکڑوں اساتذہ ہیں جنھوں نے تنقید و تحقیق کے باب میں یہ فریضہ انجام دیا (تخلیق کی بات اس سے کچھ مختلف ہے) مولوی شفیع، حافظ محمود شیرانی، کلیم الدین احمد، سید احتشام حسین، آل احمد سرور، رشید حسن خاں، شمس الرحمن فاروقی، غلام مصطفےٰ خاں، سید عبداللہ، سید وقار عظیم، ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ایک طویل فہرست ان ناقدین، محققین اور ریسرچ سکالرز کی ہے جو زندگی کے کسی نہ کسی حصے بلکہ اکثر عمر بھر درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی، مشفق خواجہ اور ڈاکٹر وزیر آغا جیسی شخصیات کتنی ہیں جو اپنے طور پر تحقیق و تنقید کے کاموں سے منسلک رہے!

گزشتہ صدی میں اردو زبان و ادب کی درس و تدریس کی جو صورت حال تھی کیا آئندہ بھی ویسی رہے گی اور کیا آئندہ جامعات سے وابستہ افراد تنقید و تحقیق کے اس معیار کو قائم رکھ سکیں گے جو معیار ان فاضل اساتذہ کے نتائج فکر اور تلاش و تحقیق نے اردو زبان و ادب کو دیا

☆Asistant Professor,G.C. University, Faisalabad, Pakistan

---میری دانست میں جب تک اس بارے میں کوئی ٹھوس منصوبہ بندی نہیں ہوگی آئندہ ہماری جامعات ان معیار سے دُور رہیں گی۔

آج کا تدریسی منظر نامہ گزشتہ صدی تو کیا گذشتہ ربع صدی سے قطعی مختلف ہے۔قیامِ پاکستان کے فوری بعد تعلیم حاصل کرنے والی نسل جامعات سے تیزی سے فارغ ہو رہی ہے اور جوان کی جگہ پہ ہیں ذاتی جوہر، صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے اُن رفتگان سے قطبین کی دُوری پر ہیں۔اس دُوری کی بڑی وجہ مادہ پرستی ہے۔جب سے زندگی اور معاشرتی قدروں کو روپیہ پیسہ سے منسلک کر دیا گیا ہے۔تحصیل و تدریس علم کے رویے بھی بری طرح متاثر ہوئے ہیں اور مسلسل ہو رہے ہیں۔اردو زبان و ادب پر ان اثرات کا دباؤ سرسری مطالعے سے دیکھا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ زبانیں جو علوم حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں ان کا دارومدار اور انحصار بھی معاش پر ہوتا ہے! ممکن ہے ماضی میں اس سوال کا جواب نہ ہی ملے اور ماضی میں کئی ایسی روشن مثالیں ملیں جنھوں نے بے لوث طور پر زبانوں کی خدمت کی ہو اور خود صرف ہو کر زبانوں کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہو لیکن زبانوں کا پھیلاؤ اور ان سے وابستہ مسائل کا حجم اس قدر بڑھ رہا ہے نیز انسانی زندگی پر مسائل کی گرفت روز بروز اتنی مضبوط ہوتی جارہی ہے کہ آتے زمانے میں اگلے زمانے والی قناعت پسند اور بے لوث شخصیات شاید دُور دُور تک نظر نہ آئیں۔

موجودہ منظر نامے میں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تیزی سے بدلتے معاشرے میں نئے تقاضوں اور مطالبات کے سامنے یہ زبان کیا کردار ادا کر سکتی ہے۔نیز روز بروز معاش سے کٹتی ہوئی اردو زبان کو مستقبل کے منظر نامہ میں بھی دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسرے Job Oriented Subjects معاش سے وابستہ علوم و فنون کی طرح مستقبل کے معاشی خاکے میں اردو خواں طبقہ کے لیے بھی کوئی آبرومندانہ مقام پیدا کرنے کی تجاویز پر تمام اردو کے اداروں کو غور و خوض کرنا چاہیے۔

کیا اردو کا موجودہ تدریسی نظام انہیں خطوط پر استوار ہے جن خطوط پر آج کی ترقی یافتہ زبانوں انگریزی، چینی، جاپانی وغیرہ کا تدریسی نظام ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں زبانوں کا چلن بھی ہم سے مختلف ہے۔ہمارا زیادہ زور زبانوں سے وابستہ شخصیات کے احوال و آثار اور ان سے وابستہ افکار و نظریات کے مطالعہ پر ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں زبانوں کی تدریس کا بڑا حصہ عملی زندگی میں ان کے ربط اور افادیت سے جُڑا ہوا ہے۔ہمیں اپنی جامعات میں بڑی تیزی کے ساتھ بیسیوں ایسے نئے کورسز متعارف کرانے ہوں گے جو زبان و ادب کی آگہی کے علاوہ عملی زندگی اور بین الاقوامی معاشرت کے تقاضوں سے جڑے ہوئے ہوں۔

میری گزارشات یہ ہیں کہ اردو زبان کو معاشی و معاشرتی نظام سے وابستہ کرنے کی شعوری کوشش اور ٹھوس منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔اور اردو زبان کے حوالے سے ادبی قدر و قیمت کے تعین کے مسئلے کو جس طرح اہمیت دی جاتی ہے اسی طرح زندگی کے تمام شعبوں سے منسلک رہنے والی اس زبان کے عملی پہلوؤں پر غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ ہر سطح پر روزگار کے مواقع پیدا کیے جاسکیں۔مثلاً دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمان تیار کرنے کا منصوبہ۔مختلف ممالک کے سفارت خانوں میں اردو زبان سے جُڑے ہوئے پریس اتاشی تیار کرنے کا منصوبہ۔ٹی وی، ریڈیو اور صحافت کے علاوہ آرٹ مووِیز میں کام کرنے والے اداکاروں، داکاراوں، ڈب کرنے والے نیز پرفارمنگ آرٹس سے وابستہ لوگوں کی لسانی تربیت کے کورسز۔بیرونی ممالک کی جامعات میں تھرڈ ورلڈ لٹریچر، ایشین سٹڈیز، پاکستان اور اسلامک سٹڈیز---کئی حوالوں سے جداگانہ شعبے کھل رہے ہیں ان کے طریق کار اور تدریسی نظام پر مشتمل کورسز ڈیزائن کیے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح میڈیکل کمپنیوں کے بروشر اور معلوماتی کتابچے تیار کرنے کے لیے اردو خواں طبقہ کی موجودگی۔ایسے کئی شعبے ہیں جن کے لیے خصوصی طور پر کورسز ڈیزائن کیے جاسکتے ہیں۔انٹرنیٹ پر ملنے والی معلومات سے پتا چلتا ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بچوں کی کارٹون فلموں کو اپنی زبان میں ڈب کرنے کی صنعت یا پیشہ سے وابستہ لوگوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔فلموں کے ترجمہ اور ڈبنگ کے لیے عربی اور فارسی زبانوں میں سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد مصروف کار ہیں۔اردو میں اس سے کہیں بڑھ کر مواقع موجود ہیں۔یہ واضح رہے کہ اسی معاشرے اور ملک کی زبان بھی مضبوط ہے جس کی معیشت مضبوط ہے۔

بقیہ صفحہ 44 پر دیکھیں

نوشاد عالم چشتی☆

ہندی اخبارات و رسائل کی اسلام مخالف سرگرمیاں

اکثر و بیشتر مسلم سلاطین ہند نے اپنے اپنے دور حکومت میں اپنی عوامی پالیسی میں اعتدال کو برقرار رکھتے ہوئے ہندو اکثریت کی دل آزاری سے اجتناب برتا۔ اسی معتدل پالیسی نے ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دیا۔ فرزند اسلام محمد بن قاسم سے لے کر سلطنت مغلیہ تک کے اکثر و بیشتر حکمرانوں نے مفتوح قوم کی تالیف قلب کا خاص خیال رکھا۔ اس سلسلے میں تاریخ سے کثیر تعداد میں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ چونکہ فی الحال میرا یہ موضوع نہیں ہے لہٰذا تفصیلی گفتگو اس حوالے سے نہ کرتے ہوئے صرف شہنشاہ بابر کی آخری وصیت کی طرف میں قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ اس شہنشاہ نے ذبیحہ گئو کو سختی سے منع کیا تاکہ ہندو رعایا جذباتی طور پر مسلمانوں سے متنفر نہ ہو عوامی بھائی چارگی کے فروغ میں مختلف سلسلہ کے صوفیہ اسلام کا عموماً اور چشتی سلسلے کے صوفیہ کرام کا خصوصی کردار کسی بھی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم بادشاہوں کی رعایا پروری اور صوفیہ اسلام کے بلا تفریق خدمت خلق کے جذبے اور ایثار نے ہندوستانی سماج کو الخلق عیال اللہ کا خوبصورت نمونہ بنا دیا تھا انہیں اسباب کی بنا پر ہندوستان میں انگریزوں کے منحوس قدم آنے سے پہلے ہندو مسلم منافرت کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا ہے۔ اس خوشگوار ماحول میں نہ تو فرقہ وارانہ فساد برپا ہوتا تھا اور نہ لسانی جھگڑوں کا کہیں نام ونشان تک تھا، لیکن حکمرانوں، فقہا، علماء اور صوفیاء و مشائخ کے کردار میں رفتہ رفتہ زوال آنے کی وجہ سے سات سمندر پار کے فرنگیوں نے اپنے جبر واستبداد کے پنجے ہندوستان میں گاڑ دیئے اور مسلمانوں سے تخت حکومت چھین لی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے استحکام کے لئے فرقہ وارانہ فسادات اور لسانی منافرت کا سلسلہ بڑے منظم انداز سے شروع کیا۔ فرنگی دور حکومت میں ہی ہند میں صوفیائے اسلام کے جذبۂ رواداری پہ قائم ہندو مسلم اتحاد کو سخت نقصان پہنچا انگریزوں کی ایماء پر ہندوستانیوں کے آپسی ٹکراؤ نے پیار و محبت کی جگہ نفرت و عصبیت نے لے لی جس کا مظاہرہ آج بھی ہندوستانی سماج میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے فرنگیوں نے سلسلہ فساد کو جاری رکھنے کے لئے مختلف مذاہب و مکاتب فکر کے شرپسند عناصر کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ طرح طرح کے مذہبی ولسانی افکار ونظریات پر مشتمل فرقے، ادارے اور تنظیموں کی تشکیل ہندوستانی سماج کے لئے فرنگی دور کے خاص تحائف ہیں۔ فرقہ وارانہ منافرت کے لئے انگریزوں نے ہندوستانی ہندو مسلم عوام کی عجیب وغریب انداز میں ذہن سازی کی۔ انتہائی منظم انداز میں منصوبہ سازی کے ساتھ باہمی منافرت کے اس سلسلے کو آگے بڑھایا گیا۔ 1784ء میں ولیم جونس نے قدیم ہندوستانی تاریخ، دست کاری اور ادبیات کی تلاش وجستجو کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نامی ایک ادارہ قائم کیا۔ اسی مقصد کو دھیان میں رکھ کر ہندوستان کے متعلق ایک دوسرا ادارہ 1823 میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نام سے لندن میں وجود میں آیا۔ کینگھم کی کوششوں سے کننگ نے 1861 میں آرکلوجیکل سروے کے نام سے تیسرا ادارہ ہندوستان میں قائم کیا۔ اسی ادارے کو سروے آف انڈیا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ 1888 میں سروے آف انڈیا نے اے پی گرافیا انڈیا کے نام سے ایک سہ ماہی تاریخی مجلہ کی اشاعت شروع کی۔ اور اس طرح ہندوستانی تاریخ کی خدمت کے نام پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلانے کا کام شروع ہوگیا۔ کمپنی حکومت میں محکمہ خارجہ کے سکریٹری ہنری ایلیٹ نے 1849 میں تاریخ ہندوستان کے نام سے مجلد ضخیم کتاب لکھی۔ اس کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

"ہندو مصنفین پر مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے ان لوگوں سے ہمیں یہ توقع تھی کہ اپنی قوم کے احساسات، توقعات اور معتقدات ہمیں بتائیں گے۔ لیکن وہ اب تک (شاہی) احکام وہدایات کے مطابق لکھتے ہیں۔ محرم کے مہینے کو "محرم شریف" اور قرآن کو "کلام پاک" کہتے ہیں اور اپنی تحریروں کو "بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ (مسلمانان ہند کی حیات سیاسی۔ محمد مرزا۔ غیر مورخ، ناشر کتب خانہ علم وادب اردو بازار دہلی۔" ص:۱۳)

☆naushadchishti@gmail.com

مزید اہل ہنود کی غیرت کو للکارتے ہوئے اور ان کے دلی جذبات کو مشتعل کرتے ہوئے ہنری ایلیٹ لکھتا ہے-

''اب جب کہ ہندو اپنے ظالم (مسلمان) آقاؤں کے چنگل سے آزاد ہوگئے ہیں اور بے روک ٹوک اپنے دل کی باتیں ظاہر کرسکتے ہیں تب بھی ان غلامانہ ذہنیت کے لوگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں پیدا ہوا جو اپنے ملک کے صحیح احساسات کو قلم بند کرسکے- یا طویل زمانے کی مظلومیت کی کیفیات اور جذبات کا اظہار کرسکے- (نفس مصدر، ص ۱۳)

انگریزوں کی ترغیب سے متاثر ہوکر ہندو سماج میں مسلمانان ہند کے خلاف جو ردعمل شروع ہوا تو اس نے انتہائی دل خراش اور بھیانک صورت حال اختیار کرلی- مسلمان حکمرانوں کے خود ساختہ مظالم کا بدلہ مسلمانوں سے لینے کے لئے 1875 میں آریہ سماج، 1915 ہندو مہا سبھا، 1925 میں آر ایس ایس جیسی فسطائی تنظیمیں وجود میں آئیں- تقسیم ہند سے پہلے اودھ ریویو، آریہ بندھو، آریہ ساچار، دیش ہنکاری جیسے اخبارات ورسائل نے اسلام اور مسلمان مخالف قلمی اور تحریری سرگرمیاں جاری رکھیں- ان اخبارات ورسائل نے فرقہ وارانہ تشدد کے ساتھ ہی لسانی منافرت کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا- تقسیم ہند کے بعد یہاں ہندی کو دیگر زبانوں پر سیاسی تغلب حاصل ہوگیا- فی الحال ہندوستان کے کل 35 صوبوں میں سے آٹھ صوبے، بہار، چھتیس گڑھ، ہماچل پردیش، جھارکھنڈ، مدھیہ پردیش، راجستھان، اتر پردیش اور اترانچل میں ہندی کا بول بالا سب سے زیادہ ہے- لیکن ہندی اخبارات ورسائل ملک کے دیگر صوبوں سے بھی شائع ہوتے ہیں ملک کے کچھ اہم ہندی اخبارات ورسائل میں امر اجالا، دینک جاگرن، ہندوستان، راشٹریہ سہارا، نوبھارت، پراودا، پنجاب کیسری، راجستھان پتریکا، بھاسکر، آج، سامنا ممبئی، پربھات خبر، ویر ارجن اور مدھر لوک، پاتھیہ کڑ، جھانوی، پنچ جنیہ وغیرہ شامل ہیں- ملک کے مختلف صوبوں سے شائع ہونے والے تمام ہندی اخبارات ورسائل کی کارکردگی کا جائزہ اس مختصر مقالے میں مشکل ہے- اس لئے میں نے کچھ منتخب اخبارات ورسائل کو ہی تجزیہ کا موضوع بنایا ہے- ذہن سازی میں اخبارات ورسائل بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں- اس لئے اخبارات کو خبروں کی اشاعت میں کافی احتیاط سے کام لینا چاہیے- مگر ہندی اخبارات ورسائل میں سے اکثر بیشتر اپنے اوپر کوئی اخلاقی ضابطہ یا سماجی پابندی عائد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں- ہندی اخبارات ورسائل کا یہ من مانا پن آزادی کے بعد کی تحریروں میں ہی نہیں بلکہ آزادی سے قبل کی تحریروں میں بھی نمایاں رہا ہے- اس موضوع پر ''ہندو عورت، مسلم مرد'' کے عنوان سے ڈاکٹر چارو گپتا ریڈر موتی لال نہرو کالج دلی یونیورسٹی نے بڑا وقیع اور معلوماتی مقالہ لکھا ہے- ڈاکٹر چارو گپتا لکھتی ہیں- (ہندی سے اردو ترجمہ)

''ہندو مبلغین، خاص طور سے آریہ سماج کے اہم اراکین نے عوامی ابلاغ وترسیلی نظام میں براہ راست دخل اندازی کی اہمیت ٹھیک طرح سے جان لیا تھا اس لئے ان کا اکثر اہم نشریاتی اداروں پر قبضہ تھا- اس وقت ہندی میں شائع ہونے والے اخبارات اور ہندی مطابع کی تعداد اردو اخبارات ومطابع سے بہت زیادہ تھی، اس کے علاوہ اکثر ہندو مہا سبھا کے نیتا وکیل تھے- اکثر اخباروں اور قانونی پیشوں پر ان کے قابض ہونے سے ہندو مبلغین کو کافی فائدہ ہوا- اور ان کی آواز فرقہ وارانہ رنگ اختیار کرتی گئی- 1920 کی دہائی میں ہندو اتحاد کی تحریک نے اس میدان میں ایک نئی اہمیت حاصل کرلی- جو بہت زیادہ جارحانہ متشددانہ اور موثر ہوئی- 1923 کے بعد ہندو مسلم دنگوں کی باڑھ آگئی- برطانوی مبصرین کے مطابق اس زمانے میں ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے مقابلے میں اتر پردیش میں سب سے زیادہ دنگے ہوئے- مذہب تبدیل کرنے والوں کو منظم شکل میں چنوتی دی جاتی تھی اور اپنے قوم وملک کی خدمت کے نام پر مذہبی خطابت کے ذریعہ آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا نے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن (یعنی قومی تنظیم) کا پروگرام شروع کیا- ان دونوں پروگراموں میں خاص طور سے خواتین کے لئے بہت سخت قانونی ضابطے بنائے گئے- مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے کثیر تعداد میں کتاب، کتابچے وغیرہ شائع کیے گئے- جو واضح طور پر جنسی تفریق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس وقت کے ہندو فرقہ پرستوں کی ایک بڑی تعداد کی جانب سے ہندو عورتوں کی مسلم غنڈوں کے ذریعہ اغوا کیئے جانے اور ان کا زبردستی مذہب تبدیل کرانے کے جھوٹے واقعات بڑے پیمانے پر سماج میں پھیلائے گئے جو ہندوؤں کو متحد کرنے میں بہت کارگر ثابت ہوئے- اغوا سے متعلق واقعات اکثر وبیشتر من گھڑت اور جھوٹے ہوتے تھے مگر ہندو فرقہ پرستوں نے اس حربے کا بھر پور

استعمال کر کے مختلف میڈیا میں مسلمانوں کو ایک ایسے عیاش اور شہوت پرست انسان کی شکل میں پیش کیا جو ہندو عورتوں کی عصمت وعفت کو (موقع پاتے ہی) تار تار کرتا رہتا تھا- مسلمانوں کے خلاف اس طرح کی تحریک نے ہندوستانی سماج میں انتہائی خطرناک صورت حال اختیار کر لی- مخالفین کی طرف سے ہو رہے اس طرح کے حملے سے مسلمانوں کا ایک گروپ بھی مزید جارح ہو گیا اور اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر انہوں نے بھی تنظیم وتبلیغ کا کام شروع کر دیا اس کام نے مزید آگ میں گھی کا کام کیا"- (ادبھاؤنا، ہندی مجلہ شمارہ 61 فروری 2002 ص: 38 کالم 1-2، شاہدرہ دہلی)

مختلف اخبارات ورسائل وجرائد اور میڈیا کے ذریعہ اسلام اور مسلمان مخالف سرگرمیاں برابر جاری رہیں- مسلمانوں کے حوالے سے معروف ثقافتی اور مذہبی رسومات میں حصہ لینے والی ہندو خواتین کا زبردست مذاق اڑایا جاتا تھا- (نفس مصدر ص 42 کالم 1) صوفیائے کرام کی حکمت تبلیغ سے ہندوستانی معاشرے میں باہمی تعاون اور آپسی بھائی چارے کا ماحول بنا تھا اس کا اثر ہندوستانی ہندو سماج پر بہت گہرا پڑا تھا- ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت اور ان میں بھی خواتین کی کثیر تعداد بزرگان دین، مزارات اولیاء اور احترام تعزیہ کی دل سے معتقد تھی- اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہندو مرد اور خاص کر خواتین مختلف درگاہوں، پیروں اور مساجد کے دروازوں پر حاضری دے کر پھونک ڈلوانا باعث سعادت سمجھتی تھیں- نیز ان کی جانب سے نذرانے اور چڑھاوے بھی پیش کیے جاتے تھے- ان تمام رسومات اور حالات پر ہندو فرقہ پرستوں نے از سر نو غور وفکر کر کے اس سے ہندو عوام کو زیادہ سے زیادہ دور رکھنے کی کوشش کی اور اس کے لئے زبانی پروپیگنڈہ کے علاوہ میڈیا کے مختلف وسائل کا سہارا لیا گیا جس پیر یا مزار کی عوامی مقبولیت جتنی زیادہ تھی اس پیر یا مزار کے خلاف اسی شدت سے پروپیگنڈہ کیا گیا- یوپی میں حضرت سید سالار مسعود غازی کا عرس اور میلہ بے پناہ عوامی مقبولیت رکھتا ہے ملک کے مختلف مقامات پر آپ سے منسوب میلوں کا انعقاد ہوتا ہے-- جس میں ہندو عوام کی اچھی خاصی تعداد شامل ہوتی ہے- ہندو مرد وخواتین کی شمولیت کو روکنے کے لئے فرقہ پرست آریہ سماجیوں اور مہا سبھائیوں نے حضرت غازی میاں علیہ الرحمہ کے خلاف کئی من گھڑنت واقعات منسوب کر کے آپ کی صاف ستھری روحانی شخصیت کو داغدار بنانے کی ناکام کوشش کی- ڈاکٹر چارو گپتا لکھتی ہیں-

"فرقہ پرست ہندو مبلغین نے اپنے حملے کو خاص طور پر غازی میاں" پر مرکوز کیا کیونکہ آپ کی شخصیت ومقبولیت کسی خاص طبقے ذات پات اور مذہب کے حدود میں پابند نہیں تھی- اس سے نام نہاد ہندو فرقہ پرست نظام کو شدید خطرہ لاحق تھا- 1924 تا 1927 کے درمیان غازی میاں اور ان کی عقیدت کا مذاق اڑاتے ہوئے کم سے کم ایک درجن کتابچے پوسٹر اور پمفلیٹ شائع کئے گئے جو انتہائی توہین آمیز اسلوب کے حامل تھے (نفس مصدر ص 43 کالم 2)

یہ ہندو فرقہ پرست جہاں ایک طرف اپنے طنز ومزاح میں مسلمانوں کے لئے دل آزاد اسلوب تحریر کا استعمال کرتے تھے وہیں مسلم تاریخ سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے- بطور مثال ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں-

"سناتن دھرم کے مطابق (اپنے شوہر کے مرنے پر) ہندو عورتیں اپنی ہاتھ کی چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں- مگر یہ تعزیہ کی معتقد ہندو ملحد عورتیں کیوں دس دنوں تک اپنے ہاتھ کی چوڑیاں توڑ کر غم مناتی ہیں- جب کہ ان کا شوہر زندہ ہوتا ہے- زندہ شوہر کو مرے ہوئے جیسا ماننا کیا یہ ہندو دھرم پر بدنما داغ نہیں ہے؟ کیا حسن اور حسین ان کے شوہر ہیں (معاذ اللہ) جو اس طرح غم مناتی ہیں؟ میری سمجھ میں یہ عورتیں (حضرت) حسن کی بیوی جعدہ سے کسی طرح کم شوہر پرست نہیں ہیں جس نے اپنے محترم شوہر کو زہر دے کر مار ڈالا- یہی نہیں بلکہ یہ عورتیں دس دنوں تک مسلمانی روزہ بھی رکھتی ہیں- کیا یہ ہمارے لئے شرم اور غم کی بات نہیں ہے- (نفس مصدر ص 42 کالم 1)

مختلف اخبارات ورسائل کے اس جارحانہ کردار نے تقسیم ملک کے لئے بنیادی کردار ادا کیا- جس میں ہندی اخبارات ورسائل پیش پیش تھے- آزادی کے بعد انگریز ہندوستان سے بظاہر چلے گئے مگر ذہنی وفکری اعتبار سے اپنے نائبین کی ایک بہت بڑی تعداد یہاں چھوڑ کر گئے ہیں- یوپی میں ہندی اخبارات میں امر اجالا اور دینک جاگرن مختلف مقامات سے کافی تعداد میں چھپتے ہیں اور اتفاق سے دونوں پر فرقہ واریت غالب ہے- مسلمانوں کے خلاف ہر جھوٹی سچی خبر جلی حروف میں صفحہ اول کا جھومر بنا کر پیش کرتے ہیں- مگر جب کوئی خبر غلط

ثابت ہو جاتی ہے تو اس کی تردید انتہائی باریک حروف میں کسی غیر اہم مقام پر شائع کرتے ہیں جہاں قارئین کی نگاہ تک نہیں جاتی - ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو بدنام کرنا ہوتا ہے اور یہ اپنے مقصد کے حصول میں بہت کامیاب ہیں - اخبارات کے خاص اجزائے ترکیبی میں صفحہ اول کے علاوہ اڈیٹوریل اور کالم نگاری کو بھی بہت بڑا مقام حاصل ہے - یوں ہی قارئین کی رائے مراسلے اور مکتوبات کی اہمیت کو بھی اخباری ابلاغ وترسیل کے اعتبار سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اس پس منظر میں ہندوستان، راشٹریہ سہارا اور نو بھارت ابھی کچھ غنیمت ہیں - لیکن امر اجالا اور دینک جاگرن ، پنجاب کیسری، بھاسکر، ممبئی، آج، پربھات خبر اور ویر ارجن کا باوا آدم ہی نرالا ہے - گاہے بگاہے راجستھان پتریکا میں بھی مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی رہتی ہے، ہندی اخباروں کے اکثر وبیشتر کالم نگاروں میں، بھرت جھن جھن والا، راج کشور، رمیش، چندر شریواستو، اشوک گوتم، کلدیپ نیر، سوریہ پرکاش، خوشونت سنگھ، سریندر موہن، راج ناتھ سنگھ، کلدیپ کمار، سنجیو سکسینہ، سبھاش رائے، اروندر کمار گپتا، دیوندر شرما، مرکار سنگھ، بھانو پرتاپ شکل، بھرت ڈوگرا، یکیہ شرما، بلبیر پنج، چندر موہن، دھرم پال گپت شلبھ، کلدیپ تلوار، بتروہی، گرودیال سنگھ، راج کشور، گوندجی، بھانو پرتاپ شکل اور راج ناتھ سنگھ سب سے زیادہ متعصب کالم نگار ہیں - اول الذکر آر ایس ایس کے ترجمان پنج جنیہ کے سابق اڈیٹر ہیں مؤخر الذکر بی جے پی کی طرف سے راجیہ سبھا کے ممبر ہیں دونوں کا تعلق سنگھ پریوار سے ہے - اس لئے ان لوگوں کے تمام کالموں میں کسی نہ کسی اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور تحریر ہوتا ہے - بھانو پرتاپ شکل اس وادی کے مسافر نہیں بلکہ رہنما ہیں - ہندی روز نامہ امر اجالا میں دہشت گردی کی ذہنیت کو سمجھیں' کے عنوان سے اپنے کالم میں لکھتے ہیں: (ہندی سے اردو ترجمہ)

"دنیا میں لگ بھگ تمام جگہ دیگر مذاہب اور افکار ونظریات رکھنے والوں کے ساتھ اسلامی دہشت گرد دو دو ہاتھ کر رہے ہیں - کہیں یہ ملک کے اصلی باشندوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں تو کہیں عیسائیوں پر، کہیں ہندوؤں پر تو کہیں بودھوں پر، کہیں ان کا نشانہ یہودی بن رہے ہیں تو کہیں مشرقی عیسائیت کے علم بردار اور تو اور ان لوگوں نے دہریت زدہ کیمونسٹوں اور ڈالر کے حاملین امریکیوں کو بھی نہیں چھوڑا ایک بہت اہم سوال جو اس وقت تمام انسانیت کے سامنے منہ کھولے کھڑا ہے وہ یہ ہے کہ آخر اسلام میں ایسا کیا ہے جو اسے دیگر تمام افکار ونظریات کے ماننے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے - بلکہ بے گناہ عوام اور معصوم بچوں پر بھی انتہائی ظالمانہ غیر انسانی تشدد کرنے کی چھوٹ، صلاح اور ہدایت تک دیتا ہے - (امر اجالا ہندی - مورخہ 17 دسمبر 2001 بروز پیر ص 4 کالم 2 آگرہ -)

اس کے بعد بھانو پرتاپ شکل نے اس کالم میں قرآن وحدیث کے خلاف جو زہر اگلا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے انہوں نے قرآن وحدیث کی آیات وآثار سے من مانی تاویل وتشریح کی روشنی میں دار الحرب اور دار الاسلام کی بات چھیڑی ہے پھر انہوں نے قرآن کی 8ویں سورت کی 12ویں آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ" اے ایمان والوں تمام غیر ایمان والوں کے گلے اور ان کی انگلیاں کاٹ ڈالو" - (نفس مصدر کالم 4 آگرہ)

اور آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

"اس طرح واضح ہوتا ہے کہ اسلامی سلسلہ فکر اور اس کی مذہبی کتب مقدسہ میں کچھ ایسے عناصر ضرور شامل ہیں جو دہشت گردی پھیلانے والوں کے لئے حوصلہ افزائی کا کام کرتے ہیں" -

(نفس مصدر کالم 4 آگرہ -)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اخبارات کے قارئین کے درمیان کیا پیغام پہنچا اور عوام الناس میں کتنی غلط فہمیاں مزید بڑھیں اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا - اس مضمون سے متاثر ہو کر کافی لوگوں نے اسلام کے خلاف مدیر کو مکتوب لکھے - بھانو پرتاپ شکل کی تمام تحریروں میں ہندوتو کے جذبے کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش پائی جاتی ہے اور اس کی غلط تعبیر وتشریح کرنے میں بھانو پرتاپ شکل کو مہارت حاصل ہے - اپنے ایک اور مضمون بعنوان سودے بازی کی شکار حب الوطنی میں لکھتے ہیں - (ہندی سے اردو ترجمہ)

"جس دن ملک کا ہندوتو قومی جذبہ پوری شدت کے ساتھ جاگے گا اس دن سے صوبائی حدود، لسانی، تفاخر، مذہبی شدت پسندی اور علاقائی مفاد کا مسئلہ ختم ہو جائے گا - جب خونی رشتوں کا احساس ہوگا تو ہندوستان کو خود ایک قومی ملک ثابت کرنے کے لئے کسی جداگانہ ثبوت کی ضرورت نہیں ہوگی - تب سبھی مل کر بھارت کی شخصیت کو بنائیں گے

- جس میں کثرت اور تفرقہ کا نہیں بلکہ اس میں وحدت اور اپنا پن کے جذبے کا اظہار ہوگا- ہندو ذہنیت کے مستعد ہونے کا مطلب ہے بھارت کا حساس ہونا، عزت و تعظیم کے سورج کا طلوع ہونا کنبہ پروری کی ترقی اور ذاتی شناخت کا خاتمہ- پھر محب وطن کرسی کے سوداگروں کی سودے بازی کی شرطوں کے محتاج نہیں ہوں گے پھر تو حکومت کی باگ ڈور ہندو تو حامیوں کے ہاتھ میں ہوگی''- (دینک جاگرن ہندی روزنامہ پیر، مورخہ 17 اپریل 2006 ص 4 کالم 4 آگرہ-) بھانو پرتاپ شکل کا مضمون ''مایوسی کی نقصان دہ نفسیات'' کو پڑھا، مضمون نگار کی رائے صدفی صد درست اور حقائق سے مملو ہے کہ ذاتی مفاد کے حصول کی ترجیحی نفسیات ہی کی بنا پر ملک اس طرح کے بھیانک خطرات سے دوچار ہے- بدقسمتی سے آج بھی ہماری مفاد پرستانہ نفسیاتی ذہنیت میں مثبت اصلاح کا پہلو نہیں آپایا ہے- آپسی تفرقہ بازی، بغض وحسد اور لالچ جیسی رذیل خصلتوں کی بنا پر ہی کسی قوم وملک پر خارجی خطرات منڈلاتے رہتے ہیں- آج بھی ہندوستانی اور خاص کر ہندو اسی طرح کی ذہنیت سے متاثر ہیں- (دینک جاگرن ہندی، روزنامہ، بروز ہفتہ مورخہ 25 مارچ 2006 کالم خطوط- آگرہ-) بھانو پرتاپ شکل اپنے مضامین کے ذریعہ نہ صرف ہندو عوام کی ذہنی تطہیر کا کام کرتے ہیں بلکہ ان کی ذہن سازی بھی کرتے رہتے ہیں- مذکورہ مکتوب کے چند سطور اسی جانب اشارہ کرتے ہیں- مگر کبھی کبھی ان کی رائے سے اختلاف بھی کیا جاتا ہے- اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ کریں-

ادارہ سہیوجک درشٹ کی بانی و سرپرست فیروز آباد کی کماری پور ڈیما سنگھ نے کالم نگار کے ذریعہ اسلام اور مسلمان مخالف سرگرمیوں کا بہت سخت نوٹس لیتے ہوئے مدیر اخبار کو مندرجہ ذیل خط لکھا-

(ہندی سے اردو ترجمہ)

''اسلام جذبہ مساوات پر مشتمل ہے''

جناب مدیر!

امر اجالا کے 17 دسمبر 2001 کے روزنامے میں شائع شدہ بھانو پرتاپ شکل کا مضمون بعنوان دہشت گردی کی ذہنیت کو سمجھے صوبہ اور ملک پر قابض سنگھ خاندان کی مسلم مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچا کر ہندو نفسیات کا فرقہ وارانہ اجتماع کرنے کے ایجنڈے کا توسیعی نقطہ نظر ہے- ان کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام عالم میں پھیلی نام نہاد مسلم دہشت گردی کو قرآن اور حدیث سے حوصلہ ملتا ہے- اپنے اس مفروضے کو ثابت کرنے کے لئے جناب شکل نے 8ویں سورت کی 12 ویں آیت کا حوالہ دیا ہے- جناب شکل اسی سورہ کی 34,26 اور 35 ویں آیتوں کا ذکر تک نہیں کرتے- 12ویں آیت جس میں مذہب یا دین کے مخالفوں کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کو ان آیات سے الگ پس منظر میں نشان زد کر کے اجاگر کیا گیا ہے- 26ویں آیت میں اس وقت کا ذکر ہے جب مسلمان تعداد میں بہت کم تھے کمزور تھے- ڈرے سہمے رہتے تھے کہ کہیں ان کو قتل نہ کر دیا جائے- 34ویں آیت میں صاف کہا گیا کہ وہ لوگ جو مسجد حرام (کعبہ) میں مسلمانوں کو داخلے سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے منتظم یا انتظام کار نہیں ہیں- ان کے انتظام کار تو صرف مسلمان ہیں- 35ویں آیت میں صاف کہا گیا کہ یہی لوگ کعبہ کے پاس سیٹیاں بجاتے تھے تالیاں پیٹتے تھے- ایسے دین مخالف لوگوں کو تباہ کرنے کا حکم اگر قرآن میں دیا گیا ہے تو کیا ہندو دیوتاؤں نے یگیوں میں رخنہ اندازی کرنے والے ملیچھوں کا قتل نہیں کیا؟ اسلام نے وحدانیت ویدانت سے حاصل کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی کنبے کے فرد ہیں- آخری حج کے موقع پر دیے گئے خطبے میں (حضرت) محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انسان سے انسان کی برابری کا اعلان امریکی اعلان آزادی اور فرانسیسی انقلابی حکومت کی انسانی برابری اور آزادی کے اعلان سے بھی کہیں بہت زیادہ وسیع تھا- (امر اجالا- ہندی روزانہ مورخہ 29 جنوری 2002 ص 6 کالم خطوط- آگرہ-) مذکورہ مکتوب کے آخری اقتباس سے اتفاق تو نہیں کیا جا سکتا یہ محترمہ کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے یا ان کے کسی مطالعہ کا حاصل ہو- مگر محترمہ نے جس بے باکی اور جرأت وہمت کے ساتھ بھانو پرتاپ شکل کی تلبیسات کا آپریشن کیا ہے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے جس انداز میں قلم اٹھایا ہے ان کی اس خوبی کو سراہا جانا چاہئے- بلکہ میں یہ کہنا چاہوں گا محترمہ کا یہ جذبہ پورے مسلم سماج کی طرف سے لائق مبارکباد اور قابل ستائش ہے- امر اجالا اور دینک جاگرن کے کالم نگار اے سوریہ پرکاش اور بلبیر پنج کی کالم نگاری کا انداز بھی مسلمانوں کے حوالے سے غیر مؤرخانہ، دل آزار اور بہت جارحانہ ہوتا ہے- کبھی کبھی اس طرح کی کالم نگاری کے لئے مسلمان بھی اسباب فراہم کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں- کارٹون مخالف احتجاجی ریلیوں

میں مسلمانوں سے ہوئیں بے احتیاطیوں کے پس منظر میں ''خطرناک موڑ پر سیاست'' کے عنوان سے اے سوریہ پرکاش لکھتے ہیں۔

''نام نہاد سیکولر سیاست سے حوصلہ بلند کئے ہوئے مسلمان سیاستدانوں اور مذہبی علماؤں نے حالیہ ہفتوں میں ملک کے مختلف شہروں میں بڑی بڑی احتجاجی ریلیوں کا انعقاد کیا ہے افغانستان، عراق، ایران کے پس منظر میں امریکی پالیسی اور ڈنمارک کے ایک اخبار میں پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب شائع شدہ کارٹون کے خلاف نکالی گئیں ان ریلیوں کا نتیجہ ہندو تجارتی اداروں پر حملے کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ دہشت گردی کا ایک نیا روپ بھی سامنے آیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ دہشت گردی کی یہ بالکل نئی شکل اسی ملک کی پیداوار ہے۔ اگر ان تمام حالیہ واقعات کو ایک ساتھ جوڑ کر دیکھا جائے تو اس سے برآمد پیغام بڑا واضح ہے یا تو بھارتی خارجہ پالیسی کو مسلم نقطہ نظر کے مطابق بنایئے یا پھر نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہیے۔ اختصار میں کہیں تو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ''ویٹو پاور'' ضرور ہونا چاہئے۔ مسلمانوں میں اس طرح کی سوچ تقسیم ہند سے پہلے بھی تھی۔ پیغام یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ذاتی مفاد کو بھارت کے قومی مفاد پر بھی ترجیح دی جانی چاہئے۔'' (دینک جاگرن۔ ہفتہ مورخہ 18 مارچ 2006 ص 1 آگرہ۔)

دینک جاگرن کے کالم نگار بلبیر پنج ''منہ بھرائی کی خطرناک مثال'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

ای ایم ایس نمبودری پاد کبھی 1940 کی دہائی میں ریلیاں نکال کر ذہنی پاگلوں کی طرح پاکستان زندہ باد کے نعرے لگایا کرتے تھے جب وہ آزاد ہندوستان میں صوبے کا وزیر اعلی بنے تو انہوں نے مسلم اکثریت علاقہ ملاپورم کو ضلع بنایا آج ملاپورم میں پاکستان کی طرح تنگ نظری کا ماحول بن گیا ہے۔ جہاں ہندو حاشیے پر چلے گئے ہیں خلیجی ممالک سے بے حساب آرہی دولت سے بڑی تعداد میں وہاں مسلمان زمین خرید کر رہائش اختیار کررہے ہیں اور ہندوؤں کو وہاں سے بڑی ذلت کے ساتھ بھاگنے پر مجبور ہونے کی بڑی منظم سازش کی جارہی ہے''۔ (جن ستا ہندی روزنامہ مورخہ 20 مارچ 2006 ص 6 کالم 4-3 دہلی۔)

پنجاب کیسری کے کالم نگار چندر موہن ''عمل، جمود اور رد عمل'' کے عنوان سے لکھتے ہوئے مسلمانوں کو خوب کھری کھوٹی سنانے کے بعد یہ انکشاف کرتے ہیں کہ۔

''اتر پردیش میں جگہ جگہ (مسلم) دہشت گردوں کے سیل قائم ہو گئے ہیں۔ لکھنؤ اور کانپور جیسے بڑے شہروں میں تو ان کے سیل قائم ہیں ہی مگر اب تو یہ سیل چھوٹے چھوٹے قصبوں تک پھیل گئے ہیں۔'' (دینک جاگرن بروز منگل مورخہ 21 مارچ 2006 ص 6 کالم۔ آگرہ)

یعنی پورے ہندوستان کا مسلمان دہشت گرد ہو گیا ہے اس لئے موصوف مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بھلائی ملک کے اصل دھارے میں شامل ہونے میں ہے الگ ڈبے میں بند ہونے میں نہیں ہے۔ (پنجاب کیسری ہندی روزنامہ، جمعرات مورخہ 23 مارچ 2006 کالم 3 نئی دہلی۔)

جگ موہن ایک معروف کالم نگار ہیں اسلام اور مسلمان دشمنی ان کے پورے وجود میں سرایت کی ہوئی ہے۔ ''دہشت گردی کے سامنے مجبور ملک'' کے عنوان سے انہوں نے مسلمانوں کی شبیہ خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے مگر بڑی چالاکی کے ساتھ۔ ڈاکٹر مہیپ سنگھ کی تحریروں میں اکثر وبیشتر معیاری توازن کے ساتھ ساتھ منطقی استدلال کا غلبہ رہتا ہے بنارس بم دھماکے کے پس منظر میں ان کا لکھا ہوا کالم ''علماء کی موثر پہل'' کے عنوان سے لکھتے ہوئے اسلام پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات نیز علماء کے حوالے سے مثبت انداز میں لکھا ہے۔ خاص کر دہشت گردی کے خلاف مختلف شہروں کے علماء کی طرف سے جاری فتووں کا خیر مقدم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف اس طرح کا سخت تنقیدی رویہ اس ملک میں غالباً پہلی بار علماء نے اپنایا ہے۔ سنکٹ موچن مندر پر ہوئے حملے کے بعد علماء نے جس طرح کا سخت رد عمل ظاہر کیا ہے اور جگہ جگہ سے جو دہشت گردی کے خلاف فتاوے جاری ہوئے ہیں وہ خیر کی جانب اٹھایا گیا ایک بالکل صحیح قدم ہے۔ (دینک جاگرن جمعرات مورخہ 23 مارچ 2006 ص 4 کالم 3 آگرہ۔)

لیکن انہوں نے ایک سنگین مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی کی جانب جو اشارہ کیا ہے اس طرف واقعی ہمیں سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت ہے ان کا کہنا ہے کہ جب کبھی اس ملک کے مفاد اور بھلائی کا سوال آیا ہے تو اس ملک کے

اکثر مسلمان اوران کے قائدین اس مسئلہ پر گونگے پن کا مظاہرہ کیا اور سماج دشمن عناصر یا غیر مفید عناصر کے خلاف خاموش حمایت کا رویہ اپنا رکھا۔ اسی کے ردعمل میں تشدد پسند ہندوتو واد کی ذہنیت پیدا ہوئی۔ جیسے کشمیر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔(نفس مصدر ص 4 کالم 2)

ڈاکٹر مہیپ سنگھ اپنے ایک اور کالمی مضمون ''آپسی افہام وتفہیم کی ضرورت'' کے عنوان سے مختلف مکاتب فکر کے درمیان جذبہ خیر سگالی کے ساتھ کس طرح رہا جائے اس پر اچھی گفتگو کی ہے۔(دینک جاگرن مورخہ 20 اپریل 2006 ص 4 آگرہ۔) ان کے اس مضمون سے ہندی قارئین کے اکثریتی حلقے میں ایک سنجیدہ پیغام جائے گا۔ پھر بھی ہمیں بحیثیت مسلمان معاشرہ میں اک اچھی شناخت کے لئے بھرپور جدو جہد کرنی پڑے گی۔ آج کا اکثر مسلمان تمام طرح کی اخلاقی برائیوں میں ملوث ہے اوراس کے اندر سے احساس گناہ کا جذبہ بھی ختم ہو گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجوہات کیا ہیں اوراس کا موثر علاج کیا ہے؟ اس پر ہمیں از سر نو غور وفکر کی ضرورت ہے۔

معاشی بدحالی، مایوسی اور فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے والی قوم کا مقدر نہ صرف ارتداد ہے بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹ جانا بھی ہوتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ان خامیوں کو ہندی اخبارات ورسائل نے اچھی طرح جان لیا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے کالم نگاروں کے ذریعہ اسلام اور ہندی مسلمانوں کے خلاف اکثریت کی رائے عامہ بنانے میں بہت منظم انداز میں منہمک ہیں۔ کسی بھی ہندی اخبار کا مطالعہ کریں تقریباً روز ہی کوئی نہ کوئی کالم نگار کسی نہ کسی حوالے سے مسلمانوں کو دنیا کا سب سے بڑا مجرم، امن کا مخالف اور دہشت گردی میں ملوث ہونے کا الزام لگاتے ہوئے نظر آئے گا۔ اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے تحریف وتلبیس کے علاوہ من گھڑت تاریخ کا حوالہ بھی پیش کرتا ہے۔ سہاشنی علی سہگل ایک معروف خاتون کالم نگار ہیں تمام معروف ہندی روز ناموں میں چھپتی ہیں۔ ''بندشوں کو توڑنے کی داستان'' کے عنوان سے انہوں نے جو کچھ اپنے کالم میں لکھا ہے اسے توجہ کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ گورکھپور، بلیا، اعظم گڑھ، دیوریا، پٹنہ، کانپور جیسے شہروں میں خواتین بالخصوص مسلم خواتین کی سوسائٹی میں کس طرح کی تبدیلیاں آرہی ہیں اوراس پس منظر میں علماء اور مفکرین کس طرح کی پالیسی کی تشکیل کریں اس سے مدد لی جا سکتی ہے۔(دینک جاگرن جمعہ مورخہ 24 مارچ 2006 ص 6 آگرہ۔) نوین پنت تاریخی کالم نگار ہیں ''ہندو مسلم اتحاد کے مثال تھے دارالشکوہ''۔

(امر اجالا منگل مورخہ 18 اپریل 2006 ص 4 آگرہ۔) کے عنوان سے ان کا کالم کافی متوازی ہے۔

ابھی تک ہم نے ہندی اخبارات کے مختلف کالم نگاروں کے طرز نگارش کا جائزہ لیا جیسا کہ یہ اہل علم کو معلوم ہے کہ کسی بھی اخبار کے چار عناصر بہت اہم ہوتے ہیں۔(1) صفحہ اول کی سرخی اوراس کے تحت خبر کی تفصیل (2) اداریہ (3) کالمز (4) قارئین کی رائے پر مشتمل مکتوبات ومراسلے۔ مقالہ کے آخر میں ایک تنقیدی نگاہ اداریہ اور مکتوب ومراسلے پر ڈالی جائے کیونکہ عوامی ذہن کی بیداری میں ان کا بھی بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ ہندی اخبارات ورسائل کا معاملہ یہ ہے کہ ان پڑھ جاہل گنوار مسلمانوں کی انفرادی غلطیاں مسلمان کہلانے والے دنیا بھر کے دہشت گردوں کے تمام افعال کا رشتہ قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات اور اسلامی تاریخ سے جوڑتے ہوئے دل آزاری سے بھرپور، اکثریت کو مشتعل کرنے والی عبارتوں پر مشتمل اکثر وبیشتر اداریے سپرد قلم کرتے ہیں۔ اشتعال انگیز اداریہ لکھنے والوں میں امر اجالا، دینک جاگرن، اور ممبئی کا ہندی روزنامہ ''سامنا'' سب سے آگے ہے۔ پنجاب کیسری کا تو یہ پرانا وتیرہ رہا ہے۔ ہندو مسلم تعلقات کو کشیدہ کرنے میں پنجاب کیسری نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اپنے اداریوں کے ذریعہ یہ آج بھی اس فریضہ کو انجام دے رہا ہے۔ میں نے اختصار کے پیش نظر اس طرف صرف اشارہ کر دیا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ اس عنوان پر الگ سے سیمینار ہونا چاہئے۔ وشو ہندو پریشد کا ترجمان ''پاتھیہ کر'' کے ایک شمارہ کے اداریہ میں مدیر تاریخی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہندوؤں کو مشتعل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''شری رام اس ملک کے ہر ایک فرد کے جد ہیں لیکن میر باقی ایک حملہ آور اور غیر ملکی تھا ایک حملہ آور کے بنائے ہوئے ڈھانچے کے متعلق ایسی عقیدت کس لئے؟ دیش کا بچہ بچہ یہ بھی جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ عرب اور دیگر مسلم ممالک سے آنے والے حملہ آوروں نے ہندوستان میں ہزاروں مندر کو توڑ کر ان کی جگہ مساجد بنوا دیں۔ یہ کام ہندوستان کے وقار کو خاک میں ملانے اور اپنی فاتحانہ عظمت کو اجاگر

کرنے کے مقصد سے کیا گیا تھا-اس لئے مندروں کو منہدم کر کے بنائی گئیں یہ مسجدیں حملہ آوروں کے فاتحانہ غلبے کی نشانیاں ہیں-کوئی خوددار ملک ایسی عمارتوں کو غلامی کی یادگار مانے گا اور اس کے وجود کو برداشت نہیں کرے گا-

مسلم سماج میں جو لوگ بابری ڈھانچے کی تعمیر نو کا عزم کر رہے ہیں وہ خود کو حملہ آوروں سے مربوط کر رہے ہیں-اس طرح وہ ہندوستانی شہری ہونے کی خود ہی نفی کر رہے ہیں-اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ پورا ملک جسے غلامی کی نشانی مانتا ہے اسے وہ اپنے وقار کی علامت سمجھتے ہیں-ایسی مسلم تنظیمیں خود سوچیں کہ قومیت کے پس منظر میں وہ کہاں کھڑے ہیں اور وہ مسلم سماج وملک کا کتنا بھلا کر رہے ہیں-(پاتھیہ کڑ پندرہ روزہ ہندی، دسمبر نصف آخر-2005ص 1 مطبوعہ جے پور راجستھان-)

اداریہ کے اقتباسات کے متعلق تنقید، تبصرہ اور تجزیہ میں قارئین کے مطالعے کی نذر کر رہا ہوں تا کہ وہ خود اندازہ کریں کہ اس میں مضمر عزائم کہاں کہاں اور کیسے کیسے مرتب ہوں گے-خبروں کی پالیسی کے حوالے سے میں اتنا کہنا چاہوں گا مسلمانوں کے متعلق ہر وہ خبر جو ان کی اجتماعی یا انفرادی شبیہ، بہتر خوبصورت اور سماج کے لئے مفید بناتی ہو تو اولا اس طرح کی خبروں کو شائع نہیں کرتے-بحالت مجبوری شائع کرنا پڑ جائے تو ایسی خبروں کو انتہائی غیر اہم اسلوب کے پیکر میں پیش کیا جاتا ہے جس سے قاری کوئی دل چسپی نہیں لیتا سرسری طور پر گذر جاتا ہے-ثانیا ان خبروں کو مبہم اور مشکوک بنا کر پیش کیا جاتا ہے تا کہ مستقبل میں ان سے استدلال نہ کیا جا سکے-خبروں کے متعلق ان کی ایک دوسری پالیسی یہ بھی ہے کہ غیر مسلم دہشت گردوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مذہبی، دینی یا نسلی شناخت کو بیان نہیں کیا جاتا-مثال کے طور پر یہودی دہشت گرد، عیسائی دہشت گرد، ہندو دہشت گرد، بدھشٹ دہشت گرد، سکھ دہشت گرد، وغیرہ کی اصطلاح خبروں میں کبھی استعمال نہیں کرتے مگر انہیں اخباروں میں اسلامی دہشت گرد، مسلمان دہشت گرد، عرب دہشت گردی جیسی اصطلاحیں خوب کثرت کے ساتھ استعمال کی جارہی ہیں-یہ اخبارات ورسائل اپنے قارئین کا ذہن جیسا بنا رہے ہیں اسی کی بازگشت قارئین کے ارسال کردہ مکتوب ومراسلے میں سنائی دیتی ہے-وکاس دیش بھکت، خورجہ کا ایک خط ملاحظہ کریں لکھتے ہیں-

''مقبول کی گستاخی''

معروف مصور مقبول فدا حسین نے بھارت ماتا کو ہی اپنا نشانہ بنایا-کشمیر کے زلزلہ سے متاثر لوگوں کی امداد کے لئے انہوں نے اپنی کچھ تازہ بنائی گئی تصویروں کو کانگریسی نیتا نفیسہ علی کے ادارہ ایکشن انڈیا کو دینے کا اعلان کیا-ان تصویروں میں فدا حسین کے ذریعہ بنائی گئی ایک متنازع تصویر بھارت ماتا کی بھی تھی، بھارت ماتا تو سبھی ہندوستانیوں کے لئے مشترک ہیں-بھارت ماتا کی تذلیل کرنا کیسے جائز ٹھہرایا جاسکتا ہے بھارت ماتا تو سب کے لئے باعث محبت ہیں-چاہے ان کا دھرم کچھ بھی ہو-حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ ڈنمارک کے ایک اخبار کے ذریعہ (حضرت) محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کارٹون شائع کرنے کی پوری دنیا میں مخالفت کر رہے ہیں انہوں نے بھی فدا حسین کے ذریعہ بنائی گئی بھارت ماتا کی برہنہ اور فحش تصویر پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے-(دینک جاگرن-مورخہ 18 مارچ 2006ص 6 کالم خطوط آگرہ-)

اس خط میں بظاہر مسلمانوں کی خاموشی پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے-مگر اس خط سے جو سماج میں پیغام دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ہندو دیوی دیوتا کی توہین کے قلبی طور پر قائل ہیں اور یہ ملک کی اکثریت کے جذبات اور ان کی مذہبی روایات کا بالکل خیال نہیں رکھتے-یہ مسلمانوں کے خلاف بہت خطرناک پیغام سماج میں دیا جارہا ہے-میں نے اپنے اس مقالہ میں اداریے، خبریں، کالمز اور مکتوب و مراسلے کے ذریعہ ہندی اخبارات ورسائل کی اسلام اور مسلمان مخالف سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے-ان حالات وپس منظر میں اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ نام نہاد علماء ومشائخ اور رہنمائی کے دعویدار قائدین سے جلد از جلد اظہار برأت کیا جائے اور صاحب بصیرت افراد، علماء ومشائخ اور قائدین کے افکار کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی بقا کے لیے جلد از جلد بہتر لائحہ عمل تیار کیا جائے-یاد رکھیے! اگر ہم داعی ہیں تو مدعو قوم سے جب تک اچھے تعلقات قائم نہ ہوں ہم تبلیغ کا کام نہیں کر سکتے-اکثریت کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے ہمیں ملکی، قومی، ملی، سماجی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہوگا-محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی سچی گواہی یہی ہے اور اسی میں ہماری بقا ہے ان شاء اللہ-

□□□

پندرہویں صدی کے ایک بغدادی صوفی بزرگ

ماہ نامہ "صنم" پٹنہ ۱۹۵۹ء کے "بہار نمبر" میں شائع ہونے والی **پروفیسر حسن عسکری** سکریٹری بہار ریجنل ریکارڈ سروے کمیٹی پٹنہ کی تحقیقی تحریر- ہم اس کی افادیت کے پیش نظر مقالہ نگار اور ماہ نامہ "صنم" پٹنہ کے شکریے کے ساتھ اسے "جام نور" میں شائع کر رہے ہیں- (ادارہ)

۱۸۱۱/۱۲ء میں فرانسس بوکانن کو ضلع گیا کے داؤد نگر ڈویژن میں تقریباً پانچ سو پیرزادے ملے جن میں اکثر محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی متوفی ۱۱۶۶ء/ ۶۶۱ھ مدفون بغداد کی اولاد تھے طریقہ صوفیہ قادریہ کے اس مشہور بانی محبوب سبحانی کے گیارہ فرزندوں میں سے ایک سید عبدالرزاق قادری "سید محمد قادری" کے اسلاف میں سے تھے "سید محمد قادری" کے بارے میں بوکانن کا بیان ہے کہ انہوں نے یہاں آکر کافروں کو ہلاک کیا اور (امجد) امجھر شریف میں مدفون ہوئے- جہاں ان کے احفاد تین مسلم جاگیروں کے مالک ہیں گیا ضلع (موجودہ اورنگ آباد ضلع) داؤد نگر سے شمال مشرق جانب دس میل کے فاصلہ پر اور ایسٹ انڈیا ریلوے کے پامر گنج (انوگرہ نرائن روڈ) اسٹیشن سے لگ بھگ ۲۵ میل کے فاصلہ پر ۸۴ درجہ ۳۴ دقیقہ طول البلد ۲۵ درجہ ۴ دقیقہ عرض البلد امجھر، ایک گاؤں ہے جہاں ابتک ایک خانقاہ موجود ہے اس خانقاہ کی بنیاد پندرہویں صدی کے وسط میں حضرت امیر سید محمد قادری نے ڈالی تھی- اور بوکانن کے عہد میں اس کے بڑے پیرزادے اور گدی نشیں حضرت سید شاہ غلام رشید قادری تھے- شیخ کے اولاد بہر حال بوکانن کے عہد میں کئی خاندانوں میں بٹ گئے تھے-

اس وقت گیا پٹنہ شاہ آباد کے اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس بڑے ہی قیمتی مخطوطات اور وثائق ہیں حضرت سید محمد قادری کے پوتے اور پسر ثانی جلال الدین متولد ۸۵۰ھ کے بیٹے حضرت سلیمان قادری کا نام اس خاندان کے قاضی اور نائب قاضی کی طویل فہرست میں سب سے پہلے آتا ہے- یہ اکبر کی طرف سے اورنگ آباد سب ڈویژن میں پرگنہ منورہ اور امجا کے قاضی نہایت کبر سنی میں مقرر ہوئے تھے- راقم سطور کو ایک سند مورخہ ۲۰ محرم ۹۸۷ھ ملی جس میں تین مہریں تھیں ایک تو نہایت واضح ہے دو ما بقرا تھیں ان مہروں کے اوپر حاشیہ کی عبارت بڑی اہم ہے کیونکہ حاشیہ کی عبارت میں قاضی یعقوب اور میر حیدر جہاں کا تذکرہ بار بار آتا ہے (مثلاً اللہ اکبر ۱ بموجب تصدیق، و تنقیح مرقومہ قاضی یعقوب قضاء حکایت و اراضی مدد معاش بمشار الیہ میراں سید سلیمان اہل علم اولاد حضرت غوث الثقلین امیر سید محی الدین و فرزنداں مقرر و مسلم دانند ۲ مالک الملک بموجب تصحیح و تصدیق مرقومہ قاضی یعقوب بہ مخدوم زادہ..... قضا و خطابت پرگنائے مذکور انچھا و پرگنہ منورہ من اعمال سرکار بہار) در وجہ مدد معاش مع فرزندان موافق حکم جہاں مطاع مقرر دانند تبصرف آرند ۳ مالک الملک بہ نوشتہ میر حیدر جہاں عمل نمائند میر حیدر جہاں اور قاضی یعقوب کی وقیع شخصیت پر میر ابوالفضل اور عبدالقادر یعنی شہنشاہ اکبر کے مورخوں کے بیانات سے روشنی پڑتی ہے-

رسالہ جوادیہ کے نسخہ میں خاندان کے ایسے بہت سے افراد کی فہرست ہے جو قاضی القضاۃ اور نائب قاضی کے عہدے پر مامور ہوئے- یہ سلسلہ اکبر کے عہد سے East india Company کے عہد تک رہا- ۵۱ اوراق پر مشتمل ایک قیمتی فارسی مخطوطہ موسوم بہ مناقب محمدی پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہے- جس میں خانقاہ امجھر کے بانی ان کے تینوں فرزندوں، پوتوں اور مریدوں کا حال درج ہے- اس کے مولف حضرت علی شیر شیرازی جو بانی خانقاہ کے خاص ساتھیوں میں تھے- اور اس کی تالیف ان کی وفات کے صرف ۶ سال بعد ۹۶۴ھ میں ہوئی- جیسا کہ نسخہ کے آخر میں مندرجہ ذیل ایک منظوم قطعہ سے معلوم ہوتا ہے-

گرفتم قلم را بہ بستم دولب — نوشتم مناقب ہم اندر سہ شب
تو از حرف فاعل و حرف زماں — بکن سال تاریخ گفتن عیاں

لفظ شب تین بار کی عددی قیمت ۹۰۶ بشمول ۴۰ "م" کے عدد ہیں ۹۴۶ ہوتی ہے حرف زماں فاعل سے مل کر سال تاریخ بنا ہے- شیرازی نے شیخ کے حالات زندگی کے لئے عربی میں تاریخ حسینی

مولفہ کریم الدین حسینی مکی کا بھی حوالہ دیا ہے-

دس باب کے مخطوطہ میں شیخ کی ابتدائی زندگی (بغداد ۸۱۰ھ میں پیدا ہوئے محض ۲۳ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور ایک جید عالم ہوگئے، ۲۷ برس کے تھے کہ دعوت خلق اللہ پر مامور ہوئے کافی ریاضت اور مجاہدہ کے بعد رشد وہدایت کی سرگرمیوں میں مشغول ہوئے) ہندوستان سے باہران کے مساعی اوران کی تعلیم وتربیت کے مختلف دور کے بارے میں بہت ساری معلومات ہیں مثلاً یہ کہ انھوں نے کون سا نصاب تعلیم اختیار کیا کن اداروں میں اور کن علماء کی نگرانی میں تعلیم پائی ان کے عادات وخصائل (مجالست وموانست باضعفا،علماء وفقراو مساکین وبیماراں داشتے اگر تو انگرے برسیدے بہ او نیز التفات فرمودے لیکن بکم توجہی- نذر وہدیہ کہ کسے آوردے بغرباء ومساکین دادے وموافق احتیاج برائے اتباع خود نیز ازاں برگرفتے وفعل عبث روانہ داشتے اکثر اوقات بلغات عربی وفارسی سخن گفتے درسیاحت وسفر ہر کجا کہ رفتے فی الحال درکلام مثل مردماں آں دیار درآمدے چوں بہ سرحد ہند رسید مشائخان ہند زبان ایشاں داشت وتلفظ آنرا کمال سعی می کرد) ان کی جسمانی حالت (جسیم البدن ہموار بلند بالا- پیوستہ شکم -فراخ پیشانی- باریک کشادہ ابرو بلند بینی- کشادہ نتھنے- عریض و دراز محاسن سفید ریش جس میں انتقال کے وقت خال خال سیاہ بال تھے- عریض الصدر ہاتھوں کی انگلیاں لمبی آنکھیں اور کان متوسط اور صاف چہرہ) پوشاک کی نوعیت (چوتھا باب اک لاطیہ ٹوپی پہنتے تھے جو سر میں چپکی رہتی تھی اور جس کا رنگ سفید یا سبز ہوا کرتا تھا کلاہ ناشرہ کہ سر سے قدرے بلندتر ہوتی ہے کافروں کا پہناوا سمجھتے تھے- اسی طرح سرخ رنگ سے بھی تنفر تھا- کلاہ لاطیہ پر ایک سفید عمامہ جس میں گرہیں پڑی رہتی تھیں اور جو شکل میں گول ہوتا تھا جسم کے گرد ایک سفید پیراہن یا لمبا چغا کرتے کے ساتھ اور اس پر کالے اون کا ایک کمبل موسم سرما میں استعمال کرتے تھے) اسلام سے انھیں کس درجہ الہیت اور گرویدگی تھی اور دوسرے لوگوں اور ملکوں کی زبان میں مہارت حاصل کرنے کا کتنا شوق تھا (چھٹا باب گفتگو اور زباں پر اپنے سفر کے دوران جہاں کہیں بھی وہ گئے انہوں نے علاقائی بات چیت کو اپنا یا وقت ضائع نہیں کیا ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں وہ اس قابل تھے کہ ہندی مشائخ یعنی مقدس لوگوں سے ان کی زبان میں صحیح تلفظ کے ساتھ گفتگو کر سکیں) اور وہ کون لوگ تھے جن سے عراق سے ہندوستان تک کے سفر کے دوران وہ متعارف ہوئے اور استفادہ اور افادہ کیا چونکہ یہ چیزیں تاریخ وتمدن کے متعلم کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں اس لئے تنگی وقت اور تعداد اوراق کے محدود اصرافیہ کے پیش نظر مضمون نگار مجبور ہے کہ شیخ کے محض چند ایسے واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کرے جن کا تعلق ان کی زندگی کے اس دور سے ہے جو ہندوستان میں گذرا-

پہلی چیز جو کسی کی توجہ مخطوطہ کی طرف مبذول کرتی ہے وہ اتنا پہلے چھوٹا ناگپور کے سرحد پر گیا (حال اورنگ آباد) کے اُن علاقوں میں جو ہنٹر کے عہد تک (Hunter w.w.a.Statistical Accant of Bengal Page 18) پہاڑوں اور جنگلوں پر مشتمل تھے اور جن میں جنگلی جانور بھرے ہوئے تھے- اسلام کی پرامن اشاعت اور مسلم نو آبادیات کے متعلق ٹھیک ٹھیک حوالہ موجود ہے یہ محض اسلام کی خاطر تھا کہ حضرت سید محمد قادری نے ہندوستان کا دشوار گذار سفر کیا وہ داستان الم جس کو موجودہ داؤدنگر سب ڈویزن کے ایک مہاجر خدا پرست اور طویل القامت شیخ محمد علی نے بیان کیا ہے بڑی جگر سوز ہے انھیں خواب میں حکم مہاجرت ملا تھا جیسا کہ تذکرہ نگار ہمیں یقین دلاتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت سید محمد قادری کے والد حضرت سید شمس الدین درویش قادری نے انھیں ہدایت کی کہ وہ ہندوستانیوں کی شکایت سنیں اور ان پر ظلم ڈھانے والوں سے ان کی دادرسی کی خواہش کریں اور ظالم کو ایمان کے دائرے میں لانے کی کوشش کریں-- جس میں اگر ناکامی ہو تو اس کی تباہی وبربادی کے لئے دست بدعا ہوں اور اس سرزمین میں اقامت کریں تا وقتے کہ وہاں کے لوگ ان کی ہدایت سے راہ حق کو پائیں- انھیں اس بات کی ہدایت بھی ملی تھی کہ وہ ایک بہتر نسب بالخصوص سید ابوصالح احمد قادری کے خاندان میں شادی کریں جو قبل ہی ہندوستان منتقل ہو چکے تھے- شیخ نے اپنے چالیس رفقاء کے ساتھ ۸۴۶ھ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی سواری پر پہاڑ اور وادی وصحرا اور چٹیل میدان سے بھرا ہوا راستہ بغداد سے بہار تک سات ماہ گیارہ دنوں میں طے کیا- سفر کے دوران وہ قندھار اور ملتان سے ہو کر گذرے (قندھار کا حاکم پہلے ہی سے سید نصیر الدین تبریزی کی زبانی شیخ کی شہرت سُن چکا تھا وہ اور وہاں کے جید عالم شیخ منصور نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا) اور دو ہفتہ کے لئے سُرہرپور (یوپی) میں بھی ٹھہرے جہاں انھوں نے

حضرت فاطمہ عرف بی بی پیارن سے شادی کی آخیر میں وہ جیون نامی ایک ظالم راجہ کے اس علاقے میں پہنچے جہاں شیخ محمد علی کے خاندان پر ظلم وستم کیا گیا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹا ناگپور کے کول اور سنتھال، منڈا اور اوراؤں، چیرو اور کھریا کسی وقت بہار کے مختلف حصوں پر برسر اقتدار اور حکومت کرنے والے قبیلے تھے۔ بوکانن کی جمع کردہ روائتوں کے مطابق کول راجاؤں کی عملداری کسی وقت بیجناتھ دھام سے لیکر بنارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور انگریز ماہرین آثار قدیمہ کننگھم وغیرہ نے لکھا ہے کہ جنوبی بہار میں بہت سے قریئے ناہموار قلعوں کے ساتھ یہاں وہاں نقطوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے جن کی علاقائی روایتیں متوسط ہند کی کول یا جنگلی قوموں کی طرف منسوب تھیں۔ ان ماہرین نے کول سرداروں کے تین بڑے بڑے قلعوں کے نشانات کابر، کٹمبہ، رام گڑھ اور شاہ آباد میں پائے۔ اس سلسلے میں شیرازی نے بھی ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے اور ہمیں بتلایا ہے کہ وہ جگہ جہاں شیخ وارد ہوئے اور بعد میں زہنا کہلائی ایک نشیبی زمین تھی۔۔ جس کے نزدیک ایک ندی بہتی تھی اور یہ جنگلی جانوروں اور حشرات الارض کی آماجگاہ تھی۔ سرحد پر واقع ایک خام قلعہ بند جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ محمد علی چلا اُٹھے یہی اس ظالم کا قلعہ ہے جس نے ہم لوگوں پر ظلم کیا ہے۔ اور ہمارے بھائیوں کو اہل وعیال سمیت شہید کیا کیونکہ ہمارا ایک رشتہ دار یہاں تک آگے بڑھ گیا تھا کہ اس نے اس ظالم سے مباحثہ کیا اور اعلان کردیا کہ بت اور بت پرستی مہمل اور لغو باتیں ہیں۔ اس پر قلعہ کے مالک نے ہمارے تمام رشتہ داروں کو ہلاک کردیا۔ میں نے بہرحال جنگ جاری رکھنے کا انتظام کیا اور ہر شخص کے سامنے اپنا المیہ دہرایا مگر کوئی مدد کو تیار نہ ہوا۔

شیخ اس ظالم کے پاس پہنچے جس کا نام جیون تھا اور اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کو ہندوستان میں کھولیا کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''تم نے مسلمانوں کو کیوں قتل کیا؟ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جو بہت بڑا منتقم ہے تمہارے لئے بہتر ہے کہ امن کا راستہ (اسلام) اختیار کرو ورنہ تمہیں سزا بھگتنی پڑے گی''۔ کولھیا سردار نے غصہ میں آپے سے باہر ہوکر کہا کہ تم کو اس سے کیا کام چلے جاؤ۔ شیخ زہنا کے ویرانہ میں آئے اور عذاب کے لئے خدا سے دعا کی خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ موسلا دھار بارش ہونے کی وجہ سے قلعہ کی دیواریں ڈھ گئیں اور جیوں اپنے خاندان سمیت ملبے میں دب کر مر گیا۔ جیون کولھیا کا بھائی کرموں کولھیا جس کا وہاں سے ایک کوس دور ڈومرا پر زبردست اقتدار تھا شیخ کے درپے آزار ہوا مگر اُن کا کوئی نشان نہ پاکر تعاقب سے باز آیا۔

شیخ نے ریاضت کا سلسلہ جنگل اور کوردہ علاقوں میں جاری رکھا جہاں بہت سے خوارق عادات دیکھنے میں آئے جس وقت وہ جنگل میں تھے تو ایک گوالہ مسلمان ہوا اس کو مذہبی تعلیم ہندی میں دی گئی اور اس کا نام صادق رکھا گیا۔ وہ شیخ اور ان کے پیروں کو دودھ مہیا کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے حاجی خاں اور جامی خاں دو بھائیوں کو بری حالت میں دیکھا اور ایک دریا کے کنارے اپنی قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے پایا اس نے ان لوگوں کا حال معلوم کیا کہ وہ دریا خاں لوہانی حاکم بہار کے کارندے ہیں جس نے انھیں سہسرام بھیجا تھا تاکہ وہاں کے ایک تاجر سے اس کے لئے ایک گھوڑا خرید لائے گھوڑا جس وقت ندی پار کر رہا تھا اتفاقاً وہ ڈوب کر مر گیا۔ وہ اپنے آقا اور مالک دریا خاں لوہانی سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوئے جس کے بارے میں ان کا بیان تھا کہ وہ بے رحم اور مزاج کا بہت سخت آدمی ہے وہ دونوں شیخ کے پاس لائے گئے۔ جنہوں نے ان پر رحم کھا کر گھوڑے کی بازیابی کے لئے کامیابی کے ساتھ خدا سے دعا کی لیکن شیخ نے انہیں تاکید کردی کہ اس واقعہ کا ذکر والی بہار سے نہ کریں ورنہ گھوڑا پھر ضائع ہوسکتا ہے۔ مگر کسی طرح وہ اس تاکید کا لحاظ نہ کرسکے جس کے نتیجے میں پیشین گوئی کے مطابق دستیاب شدہ گھوڑا اچانک مر گیا۔ لیکن بہار کا حاکم تمام واقعات سے مطلع ہوکر شیخ کی کراماتی طاقت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے طرح طرح کے تحائف بھیجے جو قبول کئے گئے اور آکر مرید ہوا۔ واضح ہو کہ اس دریا خاں لوھانی خاص خیل نے جو سکندر لودی کی طرف سے پٹنہ و بہار کا حاکم مقرر ہوا تھا اور جس نے ابراہیم لودی کے زمانے میں ایک مطلق العنان آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی اور جس کے بیٹے نے پہاڑ خاں سے سلطان محمد کا خطاب اختیار کیا اور خطبہ وسکہ اپنے نام کا جاری کیا شیخ محمد علی کی مصیبتوں پر کوئی توجہ نہیں کی تھی اس لئے کہ اُسے اپنے حلوے مانڈے سے غرض تھی۔ مذہبی جھگڑوں میں پڑنا دوسرے حاکموں کی طرح اسے مصلحت کے خلاف معلوم ہوتا تھا۔ لیکن مسلمان تھا اس لئے شیخ کی بزرگی کا حال سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ جس جگہ یہ واقعہ

رونما ہوا تھا وہاں پر اس نے ایک مسجد ایک خانقاہ اور ایک محل (کوشک) بنانے کا حکم دیا۔

شیخ کی شہرت دور دور پھیل گئی خاص کر اس کے بعد جبکہ بہار کے طاقتور حاکم کی توجہ اُن پر مبذول ہوئی لوگ جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے اس لئے انھوں نے اپنے پیروکاروں کو وہ جگہ چھوڑ کر ایک ایسے ویرانے میں چلنے کی ہدایت کی جو لوگوں کی رسائی سے دور ہو۔ صادق اس فیصلہ کو سن کر متحیر ہوا اور اُس نے اُن سے سوال کیا خواجہ! آپ ایسے آراستہ مسکن کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟ آپ نے تو صعوبتوں کا زمانہ یہاں گزارا اور جب کچھ آرام کی صورت پیدا ہوئی تو دشوار مقامات میں جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں وہ ایک ہندی نژاد اور کم سواد تھا اتنا ذہین اور تیز فہم نہیں تھا کہ امور کی حقیقت کو سمجھ پائے حضرت شیخ نے اس کو ہندی ہی میں جواب دیا "نہ ماتا جیو الہ جہانہ رہنا ہُوا" (میرا دل یہاں رہنے کو نہیں چاہتا) اس وقت سے وہ جنگل جھیل سمیت نرہنا کہلانے لگا۔

کچھ مہینے کے بعد شیخ موصوف انجھر شریف تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ ایک دن کرموں کولھیا کے کانوں میں موذن کی اذان کی آواز پہنچی تو اس نے اس کے بارے میں دریافت کیا اس کو بتایا گیا کہ وہی شیخ ہیں جن کا تعاقب اس نے بالخصوص دریا خاں حاکم بہار کے ڈر سے چھوڑ دیا تھا ہو سکتا ہے کہ عنقریب ایسے حالات پیدا ہو جائیں جس کا نتیجہ آخر کار اسکی جنگلی علاقوں کی سرداری کے لئے نقصان کی صورت میں برآمد ہو۔ یہ سن کر اس نے کفار کی ایک جماعت کو شیخ اور ان کے پیروؤں کی ہلاکت کا حکم دے کر بھیجا لیکن وہ لوگ یا تو برق و باد کی زد میں آ گئے یا منتشر ہو کر رہ گئے تب اُس نے اپنے بیٹے چھیتر کو بھیجا جس کے حکم سے شیخ پر ٹھیک اس وقت پتھر پھینکے گئے جبکہ وہ عبادت میں مشغول تھے ان کی پیشانی کو بری طرح چوٹ آئی اس واقعہ نے شیخ محمد مجذوب مدنی کو اتنا مشتعل کر دیا کہ انھوں نے چھیتر کو ہلاک کر دیا اور اسے جھیل کے نزدیک دفن کر دیا اس کے ساتھی جو ہمت ہار چکے تھے بھاگ کھڑے ہوئے اس واقعہ نے خود کرموں کولھیا کو میدان میں لا کھڑا کیا کرموں اور شیخ حسن کے درمیان کچھ سوال و جواب کے بعد جب کول سردار نے شیخ کو مارنے کے لئے تلوار کھینچی تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اپنے ہی ہتھیار سے آپ ہلاک ہو گیا۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے واقعات بھی مندرج ہیں مثلاً شیخ احمد کی دعوت پر شیخ کا ہانسی پور تشریف لانا۔ شروع میں ملک قاذن کی طرف سے ناقدری اور سوئے ادبی کا مظاہرہ اور آخر کار اس کا اظہار تاسف و ندامت وغیرہ۔ شیخ کے نرہنا آنے کے سال بھر کے اندر ہی رونما ہوئے۔ شیخ حسن کا جن کی ذات کو ان تمام امور میں بہت دخل تھا اور جو ۸۴۷ھ میں شیخ کی منکوحہ (بی بی پیارن) کو لانے کے لیے سرہرپور متصل کچھوچھہ شریف بھیجے گئے تھے سرہرپور میں انتقال ہو گیا اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔ بی بی پیارن اپنے بھائی سید حسن بن تاج الدین ابو عبدالرزاق بن سید صالح احمد اور ان کے آدمیوں کی نگرانی میں انجھر شریف پہنچیں۔ ایک مرتبہ شیخ کے دل میں خیال گذرا کہ میں جتنا بھی عزلت کی زندگی گزارنا اور ہجوم سے دور رہنا چاہتا ہوں اپنے آپ کو خدا کے سامنے مجبور پاتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مرضی کچھ اور ہے بنگال سے ایک مرید شیخ مسعود نے طلائی مہروں کی ایک تھیلی بھیجی جس کو خود ان کے پیروکاروں میں کپڑے لتے اور دیگر اخراجات کے لیے تقسیم کر دیا گیا واقعات کا سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ مثلاً عثمان خاں اور میاں خان کا جبکہ وہ شیخ پورہ سے کشتی پر آ رہے تھے۔ پانی میں ڈوبنے سے حیرت انگیز طور پر بچ جانا اور بہار شریف کے ایک تعلیم یافتہ شخص ملا بھیکن بہاری کو خواب میں ہدایت ملنا کہ وہ شیخ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دو لڑکوں معین الدین اور جلال الدین کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہوں۔ یہ دونوں لڑکے سلسلہ وار ۸۴۸ھ اور ۸۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے نظام الدین اور تین لڑکیاں تھیں۔

اوپر دیے ہوئے تفصیلی جائزے میں اگلے مسلمانوں کی سرگرمی سے متعلق کچھ بہت ہی قیمتی معلومات ہیں۔ یعنی یہ کہ انھوں نے کس طرح جنگلی جانوروں سے بھرے ہوئے اجنبی مقامات میں کول بھیل قدیم اقوام (جنہوں نے مورچہ بندی کی تھی اور خطرناک جنگلوں نا قابل دخول علاقوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا) کے نیم ہندو سرداروں کے درمیان اپنے اعتقادات کی اشاعت کی۔ اور مزید بہت ساری باتوں میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ ان باشندوں کو سمجھنے اور اُن کے دل میں اُتر جانے کے لئے ان کی زبان کو سیکھ کر (اس کے پہلے کہ شیخ انجھر نے ہندوستان کو اپنا گھر اور مستقل جائے سکونت قرار دیا) اور ملکی لوگوں کی زبان سے اس قدر آشنائی حاصل کی کہ —— بقیہ صفحہ 23 پر دیکھیں

مبصر: نورین علی حق☆

نام کتاب: تین علمی وفکری انٹرویوز

ترتیب: خوشتر نورانی، صفحات: 88، قیمت: ندارد

سن اشاعت: دسمبر ۲۰۰۹ء، ناشر: ادارۂ فکر اسلامی، نئی دہلی، تقسیم کار: مکتبہ جام نور، دہلی

مذہبی رسائل میں جام نور کو جو تفوق و برتری اور امتیاز حاصل ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور نہ ہی یہ غلو ہے- دیگر مذہبی و دینی رسائل و جرائد اور جام نور کے درمیان جن کالموں نے خط امتیاز کھینچا ہے ان میں خاص طور پر تحریری مباحثہ، انٹرویو اور خامہ تلاشی قابل ذکر ہیں- جام نور کے شخصی وذاتی انٹرویوز کے انبار میں تین ایسے انٹرویوز ہیں جنھیں ہمہ گیریت حاصل ہے بقول مرتب ''جو صدیوں سے امت مسلمہ کے درمیان زیر بحث رہے ہیں اور قرائن بتارہے ہیں کہ رہتی دنیا تک یہ موضوعات امت کے درمیان تر و تازہ رہیں گے اور ان پر مختلف جہتوں سے مباحث ہوتے رہیں گے-''

جام نور نے اپنی آٹھ سالہ زندگی میں کئی نمبر بھی قوم وملت کے حوالہ کیا- جن میں جہاد نمبر، اجتہاد و تقلید نمبر اور خصوصی شمارہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی کافی پذیرائی ہوئی- انہیں تینوں نمبروں میں جہاد اور دہشت گردی، اجتہاد و تقلید اور انقلاب ۱۸۵۷ سے متعلق مختلف مکاتیب فکر کے علماء سے انٹرویوز لیے گئے تھے- وہ ان نمبروں میں میں شائع ہوکر داد و تحسین وصول کر چکے ہیں- دوبارہ انہیں تینوں انٹرویوز کو معاصر صحافی مولانا خوشتر نورانی نے اپنی ترتیب، اعلیٰ طباعت، معیاری کمپوزنگ اور عمدہ پیش لفظ کے ساتھ ۸۸ صفحات کی ضخامت پر ادارۂ فکر اسلامی دہلی سے شائع کیا ہے- جام نور کے مذکورہ نمبروں اور موجودہ مجموعۂ انٹرویوز کی خصوصیات وامتیازات کا سہرا مولانا خوشتر نورانی کے سر جاتا ہے- وہ ہمارے شکریے اور مبارک باد کے مستحق ہیں-

یہ کتاب دسمبر ۲۰۰۹ء میں منظر عام پر آئی ہے اور علمی حلقے سے خراج وصول کررہی ہے- کتاب میں شامل انٹرویوز سے قبل مرتب کتاب کا ابتدائیہ بھی ہے جو ہر انٹرویو کے مطالعہ پر انگیز کرتا ہے اور ذہن سازی کا کام بھی کرتا ہے- پہلا انٹرویو ''جہاد اور دہشت گردی'' کے حوالہ سے ہے جس میں برصغیر کے چند مکاتب فکر کے نمائندے شامل ہیں- جن میں مولانا لیٰسین اختر مصباحی (بانی و سربراہ دارالقلم دہلی)، مولانا وحید الدین خان (صدر اسلامی مرکز دہلی)، مولانا شفیع مونس (جماعت اسلامی ہند)، مولانا عبدالوہاب خلجی (سابق ناظم عمومی جمعیۃ اہل حدیث دہلی)، مولانا انظر شاہ کشمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) اور مولانا کلب جواد نقوی (رہنما جماعت اہل تشیع لکھنؤ) شامل ہیں-

بالترتیب مذکورہ پہلے چار علماء نے تمام سوالوں کا اپنے نظریہ کے مطابق تشفی بخش جواب دیا ہے جب کہ موخر الذکر میں مولانا کلب جواد نقوی نے تمام سوالوں کو اپنے ایک مختصر مضمون میں سمیٹ دیا ہے- مولانا انظر شاہ کشمیری نے جہاں ایک طرف ان سوالوں کو دارالافتاء بھیجنے کے لائق قرار دیا ہے وہیں دوسری طرف اپنے مرسلہ مکتوب میں مدیر کو ایسے سوالات سے احتراز کی نصیحت بھی کی ہے-

جہاد اور دہشت گردی کے حوالہ سے نہایت اہم اور حساس ترین سوالات قائم کیے گئے ہیں، جس سے موجودہ زمانہ کا پورا منظرنامہ سامنے آجاتا ہے کہ آیا مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزامات درست ہیں یا بے بنیاد؟ اور دونوں صورتوں میں ان کے سدباب کے لیے کیا طریقے اپنائے جانے چاہییں یا ان کے درست ہونے میں کون سے اسباب وعوامل کی کارفرمائی ہے- اس انٹرویو کے ابتدائیہ میں مرتب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس خصوصی شمارے میں برصغیر کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں سے ایک تفصیلی اور خصوصی انٹرویو کا بھی اہتمام کیا گیا تھا تاکہ ان کے جوابات کی روشنی میں امت مسلمہ پر یہ واضح ہوسکے کہ وہ امت کے دو طبقوں میں سے کس طبقے کی نمائندگی کررہے ہیں- اس طبقے کی جو امن ومحبت کے ذریعے اپنے مسائل کا تدارک اور اسلام کی توسیع چاہتا ہے یا اس طبقے کی جو جنگ وجدال اور تشدد کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو پوری دنیا کے سامنے ذلیل، رسوا کررہا ہے-''

جب قاری کتاب کا بغور مطالعہ کرتا ہے تو وہ مرتب کتاب کو اپنے مقصد میں بھی ایک حد تک کامیاب پاتا ہے- واقعی سوالوں کا تیور داخلی کیفیات کو ظاہر کرنے والا ہے- اپنے ابتدائیہ میں ہی مذکورہ بالا اقتباس سے قبل ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ: ''امت کا پہلا طبقہ صوفی اسلام سے تعلق رکھتا ہے جو داعیانہ اوصاف کا حامل ہے اور محبت، رواداری اور انسانیت کے

☆alihaqnrn@yahoo.com

ذریعے اپنی منزل تک پہنچنا چاہتا ہے، دراصل یہی طبقہ اپنی عددی اکثریت کے ساتھ موروثی اور تاریخی طور پر حقیقی اسلام کا نمائندہ بھی ہے۔"

لیکن اس اہم ترین موضوع پر انٹرویو میں کوئی ایک خالص صوفی خانقاہی شامل نہیں ہے، جبکہ اسلامی جہاد کا صالح نظریہ اور اس کی درست تفہیم انہی اہل تصوف کے یہاں موجود ہے۔ کسی صوفی یا خانقاہی کی شمولیت کی صورت میں قارئین کو ایک نئی جہت نظریۂ جہاد کے مطالعہ کا موقع ملتا اور مرتب کتاب کے ذریعہ قرار دیا جانے والا پہلا طبقہ زیادہ مستحکم ہو جاتا۔

کتاب میں شامل دوسرا انٹرویو عصر حاضر کے متنازع موضوع "اجتہاد و تقلید" کے حوالے سے ہے۔ اس انٹرویو میں پندرہ سوالات قائم کیے گئے ہیں۔ جن کے جوابات معاصر مذہبی رہنما مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ)، مولانا عبد الوہاب خلجی (سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی)، مولانا وحید الدین خان (صدر اسلامی مرکز دہلی)، مولانا عبد الحمید نعمانی (سکریٹری وترجمان جمعیۃ العلماء ہند دہلی) نے دیے ہیں۔

مختلف مکاتب فکر کے علماء کے جوابات کے مطالعہ سے بند دریچے وا ہوتے ہیں اور قاری کے سامنے اس اہم موضوع کی اہمیت و افادیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

اجتہاد و تقلید سے متعلق ان سوالوں کے جوابات علما نے اپنے اپنے نظریے کے مطابق دیے ہیں جن کے مطالعے سے کسی حد تک تشفی ہوتی ہے، لیکن جوابات کے بعض اقتباسات تشنگی کا احساس دلاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ذہن کہتا ہے کہ علماء کی اس فہرست میں مزید دوسرے مکاتیب فکر کے علماء کا ہونا ضروری تھا۔

چنددلچسپ اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

"اس طرف باضابطہ اور ہمہ گیر توجہ سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے مبذول فرمائی اور ایک فقہی مجلس کی شکل میں اپنے تلامذہ کو جمع کرکے مسلسل جد و جہد کی"۔ (مولانا محمد احمد مصباحی)

"میرے نزدیک فقہاء میں کوئی نہ امام اعظم ہے اور نہ کوئی امام اصغر، سارے فقہاء برابر ہیں۔ میرے نزدیک انہی چاروں کی تقلید پر اتفاق کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ چاروں فقہا نے اپنے زمانے کے لحاظ سے فقہی خدمت انجام دی۔ نئے دور میں نئے فقہا مطلوب ہیں۔"

(مولانا وحید الدین خان)

"کسی اور امام کے اجتہادات مدون ہی نہیں ہیں تو ان کی تقلید کیوں کر ممکن ہے؟" (مولانا عبد الحمید نعمانی)

"تقلید شخصی کے رواج سے پہلے کی ابتدائی چار صدیوں میں امت مسلمہ کے متعلق مقلدین کیا رائے قائم کریں گے جو کسی ایک متعین شخص کی تقلید پر متفق نہ تھی؟ جب کہ قرون مفضلہ، بہترین ادوار میں اسلام نے نمایاں ترقی کی ہے اور یہ ترقی صرف اتباع کتاب وسنت کا ثمرہ تھی۔" (مولانا عبد الوہاب خلجی)

مذکورہ بالا اقتباسات کو پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اس انٹرویو میں مالکی، حنبلی، شافعی اور جعفری نمائندے اگر ہوتے تو اس انٹرویو میں مزید وسعت پیدا ہوتی۔ کچھ اور زاویے اور گوشے سامنے آتے، وہیں مذکورہ مذاہب کے نظریات سے بھی ہم آشنا ہوتے۔ کم از کم جنوبی وشمالی ہند کی تفریق کے بغیر ہندوستان میں بالخصوص مرتب کتاب کو شافعی و جعفری علماء بآسانی مل سکتے تھے۔

مجموعہ میں شامل تیسرے اور آخری انٹرویو میں ۸/ مفصل اور مبسوط سوالات انقلاب ۱۸۵۷ء کے حوالہ سے کیے گئے ہیں جن کے جوابات پروفیسر سید عزیز الدین احمد استاذ شعبۂ تاریخ وثقافت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی و سربراہ دار القلم دہلی نے دیے ہیں جو کافی حد تک مفصل اور واضح ہیں۔

اس پورے انٹرویو کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولاً تو مسلمانوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء پر بہت ہی کم کام کیا ہے اور اس میں بھی مسلکی تعصب کے شکار ہوتے ہیں اور انگریزوں کی مخالفت و موافقت کے سلسلہ میں داخلی سطح پر اب بھی ہم الزام تراشی کے شکار ہیں۔ تاریخی حوالوں اور تجربات و مشاہدات سے مزین یہ انٹرویو بھی دیدنی ہے۔ یہ آٹھ سوالات انقلاب ۱۸۵۷ء کے تعلق سے اٹھنے والے بے شمار سوالات کا احاطہ کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بہادر شاہ ظفر اور ان کے پیش روؤں کی آخر وہ کون سی کمزوری تھی جس نے انہیں اقتدار سے بے دخلی اور غلامی تک پہنچا دیا؟ (۲) انقلاب ۱۸۵۷ء کے محرکات میں سب سے اہم کیا تھا، سیاسی، مذہبی، معاشی، قومی، اخلاقی یا اور کچھ؟ نیز اس انقلاب میں سب سے نمایاں کون سا طبقہ تھا؟ (۳) انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد کس نے دیا تھا اور اس کے انقلاب ۱۸۵۷ء پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

بقیہ صفحہ 29 پر

دینی، ملی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں

البرکات سیرت کمیٹی کے زیر اہتمام مقابلہ سیرت

البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین صاحب اور نائب صدر حضرت شرف ملت سید محمد اشرف صاحب کی ایماء پر مذکورہ سوسائٹی کے جوائنٹ سکریٹری جناب احمد مجتبیٰ صدیقی صاحب نے ایک کمیٹی تشکیل دی۔۔جس کا نام ''البرکات سیرت کمیٹی'' تجویز کیا گیا۔اس کمیٹی کے بنیادی مقاصد میں اہم ترین مقصد یہ تھا کہ مسلم طلبہ وطالبات کو انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی قدروں سے روشناس کرایا جائے، نیز رسول کریم علیہ السلام کی عظیم شخصیت سے نئی نسل کو کما حقہ واقفیت ہو۔

اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے سال گزشتہ کی طرح اس سال بھی مورخہ ۲۲،۲۳،۲۴ فروری ۲۰۱۰ء کو ''البرکات سیرت کمیٹی'' نے علی گڑھ پیمانہ پر ایک مقابلہ جاتی پروگرام منعقد کیا۔یہ پروگرام عید میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے ماہ ربیع الاول شریف میں منعقد ہوا، جس میں شہر علی گڑھ کے ۳۵ ر اسکولوں اور مدارس نے شرکت کی۔توقع سے کہیں زیادہ اسکولوں کے طلبہ وطالبات نیز اساتذہ و ذمہ داران نے جوش وجذبے کا مظاہرہ کیا۔سال گزشتہ کی بہ نسبت اس سال مقابلے میں حصہ لینے والے اسکولوں کی تعداد تقریباً دوگنی تھی۔ہر اسکول سے آٹھ امیدوار تھے، اس طور پر کل ملا کر ۲۸۰ ر طلبہ نے ان مقابلوں میں شرکت کی۔شرکاء کی فہرست طویل ہونے کی وجہ سے امسال پروگرام کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔پانچویں سے آٹھویں جماعت تک کے طلبہ یعنی ''جونیئر گروپ'' کا مقابلہ مولانا نعمان احمد اعظمی ازہری کی نگرانی میں کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، جبکہ نویں سے لے کر بارہویں جماعت تک کے طلبہ یعنی ''سینئر گروپ'' مقابلہ کی ذمہ داری راقم الحروف نے سنبھالی۔

اس مقابلے میں کامیاب ہونے والے امیدواروں کے لیے البرکات سیرت کمیٹی کی جانب سے گرانقدر انعامات رکھے گئے تھے، جن میں صاحب البرکات اور احسن العلماء دو ٹرافیاں، کتابیں، اسناد کے علاوہ نقد انعامات بھی شامل ہیں۔نتائج کے اعلان کے بعد ۲۵ ر فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ البرکات کے وسیع و عریض کانفرنس ہال میں ایک عظیم الشان جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ منعقد کیا گیا، جس میں صدر البرکات حضرت امین ملت ودیگر مہمانوں کے دستہائے مبارکہ سے تقسیم انعامات کی رسم ادا کی گئی۔البرکات کیمپس میں یہ اپنی نوعیت کا دوسرا دینی اجلاس تھا جس میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر، جوائنٹ سکریٹری، کوآرڈی نیٹر وجملہ اراکین واساتذہ نیز علی گڑھ شہر کی قابل ذکر شخصیات، پروفیسرز، ڈاکٹرز نے شرکت کرکے اپنی دینی بیداری کا ثبوت دینے کے ساتھ البرکات سیرت کمیٹی کے حوصلوں کو بلند کیا۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان تمام مقابلوں میں البرکات پبلک اسکول کے طلبہ سب سے زیادہ انعامات کے حقدار ہوئے، مگر میزبان ہونے کی وجہ سے ان کے تمام انعامات کو اسپیشل پرائز (خصوصی انعام) میں تبدیل کردیا گیا، تاکہ کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو۔پروگرام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ یہ مقابلے پرائمری (پانچویں سے آٹھویں کلاس تک) اور سکینڈری (نویں سے بارہویں جماعت تک) دو سطح پر منعقد کیے گئے۔

☆ اس مقابلے میں چار ایونٹس (Events) تھے: (۱) مقابلۂ قراءت (۲) مضمون نگاری (۳) نعت خوانی (۴) مقابلۂ تقریر۔

☆ مضمون نگاری کے لیے منتخب عناوین تھے: ''کھانے پینے کے آداب سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں'' جونیئر گروپ کے لیے۔اور ''اسلام کا نظام اخلاق سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں'' سینئر گروپ کے لیے۔

☆ اسی طرح تقریر کے لیے بھی دو الگ الگ گروپوں کے لیے دو مختلف عناوین تھے: جونیئر گروپ کے لیے ''رسول کریم ﷺ بحیثیت محسن انسانیت'' اور ''اسلام میں عشق رسول ﷺ کی اہمیت'' سینئر گروپ کا موضوع تھا۔ان مقابلوں میں جہاں شہر علی گڑھ کے انگلش

میڈیم اسکولوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، وہیں مدارس کے طلبہ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

رپورٹ: ——— تاج محمد خان ازہری، جامعہ البرکات، علی گڑھ

کل ہند عظمت اولیا کانفرنس لکھنؤ

صوفیائے کرام نے بھوکوں کو کھانا کھلانے اور غریبوں کی دادرسی پر بطور خاص توجہ دی ہے۔صوفیائے کرام زراندوزی کے بھی سخت مخالف رہے ہیں۔آج جب کہ پوری دنیا کا ۸۰رفی صد سرمایہ صرف دس ملکوں کے پاس سمٹ کررہ گیا ہے اور دنیا میں ہر پانچ سکنڈ پر ایک بچہ بھوک کی وجہ سے مرجاتا ہے، ضرورت ہے کہ ملک اور بیرون ملک صوفی تحریک کو فروغ دیا جائے۔الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے استاد اور ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی نے مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن اور مینائی ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی درگاہ شاہ مینا کے تحت بارہ دری قیصر باغ میں منعقد عظمت اولیاء کانفرنس کو'صوفیائے کرام کا پیغام عالم انسانیت کے نام' عنوان سے خطاب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔

مولانا مصباحی نے کہا، ہندوستان صوفی سنتوں کا ملک ہے، اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ مسلم ریزرویشن کا نظم کر کے غریب اور نادار مسلمانوں کو پرسکون زندگی گزارنے کا حق دے۔ مولانا نے آل انڈیا مدرسہ کوآرڈی نیشن کمیٹی کے کنوینر ہونے کی حیثیت سے سینٹرل مدرسہ بورڈ کی تشکیل کا بھی پرزور مطالبہ کیا۔

معروف عربی اسکالر مولانا مقبول احمد مصباحی بانی جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نئی دہلی نے امام احمد رضا اور تصوف کے عنوان سے اپنی تقریر میں کہا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی پوری زندگی سنت وشریعت کی اتباع اور بدعت ومحرمات سے اجتناب سے عبارت ہے۔نظامت مولانا محشر فریدی الہ آبادی نے کی۔ہنر پلاموی، اشہر بہرائچی، قاری ارشاد اجمیر، مطلوب منظر نے نعت ومنقبت کا نذرانہ پیش کیا۔کانفرنس کی سرپرستی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے گدی نشیں پیر طریقت مولانا سید مہدی میاں چشتی نے کی۔صدارت قاری محمد احمد بقائی مہتمم مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن نے کی۔کانفرنس کے کنوینر پیرزادہ شیخ راشد علی مینائی اور قاری ذاکر علی قادری صدر شعبۂ قرأت مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کی تحریک پر علماء و دانشوروں نے کانفرنس میں چند قرارداد یں پیش کیں جسے اتفاق رائے سے منظور کیا گیا اور جس کی تائید خانقاہ مینائیہ گونڈہ کے محبوب شاہ مینائی، سید شعیب العلیم بقائی خانقاہ مشہود یہ صفی پوراناؤ، مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی بلرامپور، قاری جلال الدین روناہی فیض آباد، مولانا محمد اقبال قادری دارالعلوم وارثیہ گومتی نگر اور قاری رئیس احمد خاں ریاستی جنرل سکریٹری جماعت رضائے مصطفے نے کی۔الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے استاد مولانا نفیس احمد مصباحی نے قرارداد پڑھ کر سامعین کو سنایا۔قرارداد میں ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کی گئی اور دہشت گردی کے خاتمہ کا حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا۔قرارداد کے ذریعہ مرکزی وزیر کپل سبل سے مدرسہ بورڈ کی جلد سے جلد تشکیل کا مطالبہ کیا گیا۔رنگناتھ مشرا کمیشن کی سفارشات کے مطابق مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کے مطالبہ کے ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وقف بورڈ بالخصوص خانقاہوں اور درگاہوں سے متعلق وقف بورڈوں میں ایسے افراد کی تقرری کی جائے جو اولیائے کرام سے عقیدت ومحبت رکھتے ہوں۔مولانا محمد عرفان قادری نے کہا کہ تجاویز پر مشتمل میمورنڈم مرکزی و ریاستی حکومتوں کو بھیج دیا گیا ہے۔اختتام صلوٰۃ وسلام اور سید مہدی میاں چشتی اجمیری کی دعا پر ہوا۔

رپورٹ: ——— قاری محمد عرفان قادری، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

امیر سنی دعوت اسلامی کا دورۂ امریکہ وبرطانیہ

مورخہ ۴رمارچ کو امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی امریکہ کے مشہور شہر نیویارک پہنچے اور ۵رمارچ کو ہیوسٹن (houston) کی مرکزی مسجد النور میں جمعہ کا خطاب ہوا پھر شام کو کلیر لیک (Clear lake) کے اقرأ سینٹر میں میلاد مصطفیٰ ﷺ کانفرنس ہوئی، جس میں حضرت کا خطاب ہوا، ۶رمارچ کو ہیوسٹن سے ڈیلاس (Dellas) کے لئے روانہ ہوئے اور اسی دن مدینہ اسلامک سینٹر کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلوس عید میلاد النبی کی قیادت فرمائی۔اختتام جلوس پر اخلاق رسالت مآب ﷺ کے عنوان پر ایک ایمان افروز خطاب فرمایا، جلوس میں کئی باوقار علمائے کرام جلوہ افروز تھے، چند کے نام یہ ہیں۔مفتی احمد القادری، مفتی مسعود برکاتی، مولانا غلام سبحانی، مولانا عیسیٰ مصباحی، مولانا سراج مصباحی، مولانا بابر رحمانی صاحب وغیرہ۔۷رمارچ کو نیویارک (New york) میں جلسہ و

جلوس عید میلاد النبی کا انعقاد ہوا جس میں حضرت نے اختیارات مصطفیٰ ﷺ کے عنوان پر نہایت عمدہ خطاب فرمایا۔ امریکہ کے کئی علاقوں میں امیر سنی دعوت اسلامی کا دعوتی و تبلیغی دورہ ہوا جن میں مندرجہ ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ہیوسٹن، ڈیلاس، نیو جرسی، ہارٹ فورڈ، اور بروکشن وغیرہ۔ امریکہ سے واپسی پر ۱۵/ مارچ کو حضرت ایک روز کے لئے برطانیہ تشریف لے گئے، جہاں مولانا قمر الزماں خان اعظمی کی مسجد میں ایک پرمغز خطاب ہوا۔ خطاب کے بعد مولانا اعظمی نے امیر سنی دعوت اسلامی کو "داعی کبیر" کے خطاب سے نوازا۔

رپورٹ: ——— آفس سنی دعوت اسلامی، ممبئی

مبارک پور میں "دعوت اسلامی" کا اجتماع

مبارک پور (اعظم گڑھ) الحمد للہ ہر سال کی طرح امسال بھی عالم گیر غیر سیاسی تحریک "دعوت اسلامی" کے تحت ایک روزہ سنتوں بھرا سالانہ اجتماع عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ مصباحی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں قصبہ کے علاوہ دور دراز سے آئے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں فرزندانِ توحید و رسالت نے شرکت کی۔ اس موقع سے عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے سنت نبوی اور جدید سائنس کی روشنی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم سب کو سنت نبوی کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں کرنا چاہیے، کیوں کہ سنت نبوی کی ضرورت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور جیسے جیسے سنت نبوی پر جدید سائنس کی روشنی میں ریسرچ ہو رہا ہے دنیا پر یہ حقیقت آشکار ہوتی چلی جا رہی ہے کہ انسانی معاشرے کی سلامتی مغربی طرز فکر میں نہیں بلکہ سنت نبوی کے اپنانے میں ہے۔" مولانا مفتی نظام الدین مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ نے فقہ حنفی کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ "امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کی روشنی میں فقہ حنفی کی تدوین فرما کر امت مسلمہ کو عظیم دینی اور علمی سرمایہ فراہم کیا ہے جس کو نظر انداز کر کے قرآن و حدیث کی تعلیمات صحیح معنوں میں نہیں سمجھی جا سکتی ہے۔" مولانا مفتی عبد المبین نعمانی مصباحی نے بھی انسانی معاشرے کی بگڑتی ہوئی حالتِ زار پر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے تحریک دعوت اسلامی کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ "اسلامی تہذیب و تمدن کو درپیش چیلنجز کا منھ توڑ جواب دینے، سماج اور معاشرے کو صالح بنانے میں تحریک دعوت اسلامی کا اہم رول رہا ہے۔ اس لیے تحریک دعوت اسلامی کا ہر محاذ پر ساتھ دینے کی ضرورت ہے۔" مولانا مفتی نسیم احمد صاحب مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن آگرہ، دعوت اسلامی ہند نوری کابینہ کے نگراں جناب محمود احمد عطاری گوپی گنج کے علاوہ دیگر مقامی و بیرونی مبلغین نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بعد نماز عصر پروگرام کا افتتاح مولانا محمد محبوب عزیزی مبلغ دعوتِ اسلامی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اور اختتام ایک بجے شب مبلغ دعوت ہند نوری کابینہ کے اہم رکن محمد عارف عطاری کے سلام و دعا پر ہوا۔ اجتماع میں جامعہ اشرفیہ کے علاوہ بلیا، گورکھپور، ٹانڈہ، جلالپور، اعظم گڑھ، مئو، سرواں، گمبھیر پور، محمد آباد، گھوسی کے کثیر تعداد میں اسلامی بھائیوں نے شرکت کی۔

رپورٹ: ——— محمد عارف حسین مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

دار العلوم فیضان سیدنا اورنگ آباد بہار کا جامعہ ازہر مصر سے معادلہ

بانی سلسلہ قادریہ فی الہند قطب الاقطاب فرد الافراد حضرت سید الہند سیدنا محمد قادری بغدادی ثم اجھری رضی اللہ عنہ کی علمی و روحانی یادگار، دار العلوم فیضان سیدنا اورنگ آباد بہار نے بہت ہی قلیل مدت میں ترقی کر لی ہے۔ شیخ طریقت مفتی الحاج سید اصغر امام قادری پرنسپل جامعہ فاروقیہ بنارس، بانی و سربراہ دار العلوم سیدنا اجھر شریف، دار العلوم فیضان سیدنا و جامعہ رقیہ للبنات اورنگ آباد بہار کے مساعی جمیلہ سے 1992ء میں دار العلوم کا قیام عمل میں آیا۔ فی الوقت دار العلوم ہذا میں تقریباً ۲۵۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں جس میں شعبہ حفظ و قرات، عالمیت و فضیلت، ہندی، انگریزی سائنس، کمپیوٹر اور حساب کی تعلیم کا معقول بندوبست ہے۔

سب سے بڑی خوش خبری یہ ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعہ ازہر قاہرہ سے اس کا معادلہ بھی ہو چکا ہے۔ جامع ازہر نے اس کی جملہ اسناد کو منظور کر لیا ہے۔ اسی کے پیش نظر اب دار العلوم ہذا میں تخصص فی الادب کا بھی اہتمام لیا جائے گا، لہٰذا وہ طلبہ جو اعلیٰ تعلیم کا ذوق رکھنے والے اور جامع ازہر مصر جانے کا شوق رکھنے والے ہیں دار العلوم ہذا سے رجوع کریں۔

محمد منصور عالم مصباحی پرنسپل دار العلوم فیضان سیدنا اورنگ آباد، بہار

منظومات

ایک اک دھڑکن سے پیدا ہو نوائے ساز دل
زندگی بھر نعت میں ڈھلتی رہے آواز دل

میرے پہلے سانس سے نغمہ سرا ہے ساز دل
آئی ہے صل علیٰ صلی علیٰ آواز دل

ان کا جلوہ آنکھ میں، ان کا مدینہ دل میں ہے
کیا سعادت آنکھ کی ہے اور کیا اعزاز دل

حاصل دیں، اصل ایماں، حب وطاعت آپ کی
نعت ومدحت آپ کی، محبوب جاں، دم ساز دل

میرے سینے کے قفس کو توڑ کر پھر اڑ گیا
گنبد خضرا جب آیا، تب رکی پرواز دل

ساری دنیا کے خزانے ایک ٹھوکر پر مری
مجھ کو تو حب محمد سے متاع ناز دل

صاحب معراج کے قدموں سے وابستہ ہوں میں
رہتا ہے اونچی اڑانوں میں مرا شہباز دل

میں جب اس دنیا میں پہنچا تب ہوا آغاز جاں
آپ کے در پہ جب آیا، تب ہوا آغاز دل

میں غزل کے بعد جب نعت نبی کہنے لگا
کتنا شائستہ ہوا ہے لہجۂ طناز دل

عاصی کرنالی
ملتان (پاکستان)

نہ پوچھو خود کو کیا پایا ہے میں نے
محمد لکھ کے جب چوما ہے میں نے

مدینے کو فقط دیکھا نہیں ہے
مدینے کو بہت سوچا ہے میں نے

میں اپنے آپ کو کب جانتا تھا
وہاں پہنچا ہوں تب جانا ہے میں نے

کہاں تک سوچتا ان کی بڑائی
جہاں تک ہوسکا سوچا ہے میں نے

خوشی و رنج ہر دو حالتوں میں
مدینے کی طرف دیکھا ہے میں نے

وہاں سے آکے اور جانے سے پہلے
مہینوں دل کو سمجھایا ہے میں نے

نگاہوں کی سنی ہے گنگناہٹ
سماعت کو وہاں دیکھا ہے میں نے

انہوں نے نعت لکھوائی یہ سچ ہے
ہے یہ بھی سچ اسے لکھا ہے میں نے

اسے مقبول ہی ہونا ہے ماجد
یہ جو کاغذ پہ دل رکھا ہے میں نے

ماجد خلیل
کراچی (پاکستان)

Registered with the Registrar of Newspapers for India No. **DELURD/2002/8231** **DL(DG)-11/8049/09-11**

MILLAT KA TARJAMAN JAAM-E-NOOR, Monthly

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

Vol.: 8 **Issue:** 90

May 2010

Printed Published & Owned by **Ghulam Rabbani**, Printed at : Star Offset Printing Press, 2229/A, Ahata Hajjan St, Rodgaran, Lal Kuan, Delhi-6 & Published at 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Editor : **Khushtar Noorani**

Designed by Kausar Samnani Delhi-6 Ph.: 011-23281418